جلد ۱۹ — مئی و جون ۲۰۱۵ء — شمارہ ۵ و ۶

مُدیرِ اعلیٰ: ملک مُمتاز حسین اعوان

مُدیر: گلزار حسین محمدی

پبلشر: ملک مُمتاز حسین اعوان

مطبع: انصار پریس بلاک ۱۰

مقامِ اشاعت: جامعہ علمیہ سُلطان المدارس سرگودھا

کمپوزنگ: الخط کمپیوٹرز 0307-6719282

فون: 048-3021536

زرِ تعاون 400 روپے

لائف ممبر 5000 روپے

فہرست مضامین

اداریہ

مدارس دینیہ کی زبوں حالی اور اصلاحِ احوال کی تجاویز

برصغیر پاک وہند کی تقسیم سے پہلے ہمارے زیادہ تر دینی مدارس لکھنؤ اور دیگر شہروں میں موجود تھے، تقسیم کے بعد ملک پاکستان میں دینی مدارس کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی...... چنانچہ اس دور کے علماء نے مختلف شہروں میں دینی مدارس کی بنیاد ڈالی، رفتہ رفتہ یہ تعداد زیادہ ہوتی چلی گئی...... اس وقت دینی مدارس کی زبوں حالی قابلِ غور ہے۔ انقلاب اسلامی ایران کے بعد مدارس کی فعالیت کچھ بہتر ہوئی تھی، اس وقت دینی مدارس کے طلباء کی تعداد پندرہ سولہ ہزار کے لگ بھگ ہے، جو کہ بہت کم ہے۔ دیگر مکاتب فکر کے مدارس کے طلباء کی تعداد پچیس لاکھ کے قریب ہے۔ ہمارے مدارس دینیہ میں طلباء کی تعداد کافی حد تک کم ہے...... اس کی وجوہات کچھ اس طرح ہیں کہ بانیان مدارس کی زیادہ تر توجہات دیگر امور کی طرف ہیں۔ مثال کے طور پر مجالس عزا پڑھنا، حج وزیارات کے قافلے لے جانا، دیگر قومی امور میں دلچسپی لینا، اس وجہ سے مدارس کی فعالیت اور ترویج خاصی متاثر ہوتی ہے...... ضرورت اس امر کی ہے کہ مدارس دینیہ کے مسئولین نہایت تندہی اور ذمہ داری سے تدریسی امور کی طرف زیادہ توجہ مرکوز رکھیں اور مستقبل کے لیے جید اور مستند علماء کی کھیپ تیار کرنے میں ہنگامی بنیادوں پر جدوجہد کریں۔

نیز درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ عصری علوم کو نصاب میں شامل کیا جائے تاکہ قدیم وجدید کے حسین امتزاج سے اعلیٰ نتائج حاصل کیے جاسکیں...... مدرسین اور اساتذہ کی بہبود کے لیے مختلف قسم کی سہولیات انھیں بہم پہنچائی جائیں اور انھیں فکر معاش سے آزاد رہ کر دینی علوم میں تحقیق وکاوش کے مراحل طے کرنے میں آسانی پیدا ہو۔ مدارس دینیہ کے مدارج قائم کیے جائیں اور ایک تنظیمی ڈھانچے میں پابند کر دیا جائے۔ جس طرح حکومتی مدارس پرائمری، مڈل، ہائی، انٹر اور ڈگری کالج پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح مدارس دینیہ کے درجات بنا کر ایک مضبوط مرکز سے منسلک کر دیا جائے۔

بزرگ علمائے کرام اور دانشور سال میں دو چار مرتبہ مل بیٹھ کر مدارس کی بہتری اور ترقی کے لیے تجاویز اور لائحہ عمل تیار کریں۔ اچھے نتائج کے حامل طلباء اور اساتذہ کے لیے انعامات اور حوصلہ افزائی کے اسباب مہیا کیے جائیں۔ نصاب تعلیم میں وقتاً فوقتاً حسب ضرورت تبدیلی کر کے ترقی کی راہیں تلاش کی جائیں۔

شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

(اقبالؒ)

باب العقائد

اصولِ اسلام و ایمان

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

اگر اسلام و ایمان کے اصول کو یکجا کیا جائے تو وہ حسبِ ذیل پانچ بنتے ہیں:

(۱) توحید (۲) عدل (۳) نبوت (۴) امامت (۵) قیامت

جن میں سے پہلی، تیسری اور پانچویں اصل اصول اسلام ہیں کہ جن کے اقرار سے بندہ مسلمان اور انکار سے کافر بن جاتا ہے اور باقی دوسری اور چوتھی اصل اصولِ ایمان ہیں جن کے ماننے سے انسان باایمان اور انکار سے بے ایمان بن جاتا ہے۔

اب ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ ان اصولِ خمسہ کی تھوڑی تھوڑی تفصیل بیان کی جاتی ہے:

(۱) توحید:

یہ عقیدہ اسلام کا اصل الاصول ہے اور بنیاد اساسی ہے۔ اس میں تمام عالم انسانیت کو ایک مشترکہ نقطہ کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے، جو سب کا مرکز ہے۔ ہزار در ہزار نسل...... رنگ، وطن اور قوم کے تفرقوں کے باوجود دنیا ایک نظام میں منسلک ہوجاتی ہے کہ سب کا خالق، سب کا مالک، سب کا پالک، اور سب کا معبود و مسجود ایک ہے...... وہ ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہے۔ ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک اس کا مثال اور مثیل نہیں ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ زمان و مکان سے ماوراء ہے۔

ساری کائنات اس کی محتاج ہے مگر وہ سب سے بے نیاز ہے۔ وہ حاجت روا اور حقیقی مشکل کشا ہے۔ وہی بیماروں کو شفا دیتا ہے اور وہی ہماری دعاؤں کا سننے اور قبول کرنے والا ہے۔ تمام کائنات اس کے قبضہ قدرت میں ہے، وہی بلا شرکت غیرے اس میں متصرف ہے۔

تمام جہان کا چلانے والا ہے۔

اسی کی ذات وہ ہے جس کے لیے فنا نہیں ہے، وہی پیدا کرتا ہے، وہی رزق دیتا ہے، وہی کھیتیاں اگاتا ہے، وہی مارتا اور وہی جلاتا ہے۔

عزت ہو یا ذلت، منع ہو یا عطاء، بلندی ہو یا پستی، اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، ہوائیں وہی چلاتا ہے، بارش وہی برساتا ہے، سورج ہو یا چاند، غرض تمام کائنات میں صرف اسی کی حکومت ہے، وہی عالم الغیب و الشہادۃ ہے، وہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی، علیم بھی ہے اور خبیر بھی...... وہ نہ دنیا میں نظر آتا ہے نہ آخرت میں نظر آئے گا۔ وہ ذات میں، صفات میں، افعال میں اور عبادات میں واحد و یکتا ہے۔ کسی چیز میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

یہ ہے عقیدۂ توحید کے اجمال کی بقدرِ ضرورت

تفصیل جو خود خداوند عالم نے قرآن مجید میں جا بجا اور بار بار پیش فرمائی ہے۔ سب انبیاء کی بعثت کی سب سے بڑی غرض و غایت بھی یہی تھی کہ بنی نوعِ انسان کے سامنے خالق کائنات کی حقیقی توحید اور اس کی معبودیت اور اس کے اِلٰہ ہونے کی حقیقت پیش کریں۔ چنانچہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ

"اے رسولؐ! تجھ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ پس میری ہی عبادت کرو"۔

اس عقیدہ سے ایک وسیع انسانی برادری کی تشکیل ہوتی ہے جس سے ہر فرد میں دوسرے کے ساتھ اتحاد کا احساس پیدا ہوتا ہے اور سب لوگوں میں ایک ہی نصب العین کے تحت ایک مسلک پر گامزن ہونے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور سب لوگ اپنی خواہشوں کو مشترک مقصد میں فنا کر کے اپنی خلوت و جلوت میں اپنے واحد و یکتا حاکم اعلیٰ کی رضاجوئی کے لیے متحد ہو جاتے ہیں۔

جس طرح آگ کا گرم ہونا، برف کا ٹھنڈا ہونا اور ایک اور ایک کامل کر دو ہونا بدیہی ہے کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں ہے، بالکل اسی طرح اس عالم رنگ و بو کے لیے قدیر و خبیر اور علیم و حکیم خالق و صانع کا ہونا اور اس کائنات ارضی و سماوی کے لیے ایک بنانے والے کا ہونا بھی ایسا بدیہی ہے کہ کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے ہمیشہ خوابِ غفلت میں سونے والوں کو جگانے اور منکروں کو قائل بنانے کے لیے صرف یہ تنبیہ کی ہے:

اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (القرآن)

بھلا اس خُدا کے وجود میں کوئی شک و شبہ ہوسکتا ہے جو زمین و آسمان کا خالق ہے؟

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا
آتش پہ مسوں نے گیت گایا تیرا

دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
غرض انکار کسی سے بھی نہ بن آیا تیرا

یہی وجہ ہے کہ مشرکین عرب بھی خدا کے وجود کے منکر نہ تھے، وہ خُدا کو موجود بھی مانتے تھے، اور زمین و آسمان کا خالق و مالک بھی جانتے تھے۔ جیسے خالص توحید اسلام نے پیش کی ہے، ادیانِ عالم میں اس کی نظیر نظر نہیں آتی اور اس کی جیسی وضاحت سرکار محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام نے کی ہے اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔

اس سلسلہ میں نہج البلاغہ اور صحیفۂ سجادیہ بطور نمونہ پیش کیے جاسکتے ہیں۔

② عدل:

خُدا کو عادل جاننا دراصل عقیدۂ توحید کا ہی ایک شُعبہ ہے جس طرح خُدا کی ذات بلند و برتر ہے اور کامل ہے اسی طرح اس کے افعال بھی کامل ہیں۔ ان میں کسی قسم کے نقص، فساد اور برائی کا گزر نہیں ہوسکتا۔ اس کا وہ قانون جو سب بندوں بلکہ سب مخلوق میں جاری و ساری ہے وہ عدالت ہے۔ یعنی اس کا ہر کام حکمت و مصلحت

کے موافق ہے۔ وہ نہ کسی کی حق تلفی کرتا ہے نہ کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ کوئی عبث اور بے مقصد کام کرتا ہے۔ وہ بندوں سے بھی عدل وانصاف کا تقاضا کرتا ہے، اس نے انسان کو فاعل مختار بنایا ہے، وہ چاہتا ہے کہ بندے اس اختیار کو قانونِ عدالت کے مطابق صرف کریں، عدل کی ضد ظلم ہے۔ خدا ظالموں پر لعنت کرتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ انسان بالکل مجبور و مقہور ہے سب کچھ خدا کرتا کراتا ہے یہ بھی خلافِ عدل اور خلافِ اسلام ہے۔

اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ انسان بالکل مطلق العنان ہے بلکہ حقیقت الامر وہ ہے جو بانی اسلام کے چھٹے جانشین حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے: "لا جبر و لا تفویض بل امر بین الامرین"۔ لہٰذا جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کی جزا پائے گا اور جو ذرہ بھر برائی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا۔

③ نبوت:

جب یہ حقیقت ثابت شدہ ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک ہے اور وہ ہے بھی عادل و حکیم کہ کوئی کام عبث و بے مقصد نہیں کرتا۔ تو پھر قدرتی طور پر انسانی ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ...... اس نے یہ کائنات کیوں بنائی؟ اور بالخصوص اس نے حضرت انسان کو خلعت وجود کیوں عطا فرمایا ہے؟ وہ کیا چاہتا ہے، اس کی رضا و ناراضگی کن باتوں میں مضمر ہے؟ ہماری نااہلی کی وجہ سے نہ تو وہ ہم سے کلام کرتا ہے اور نہ ہی ہم اس سے کلام کر سکتے ہیں۔ اس لیے عقل و شرع کہتی ہے کہ خالق اور عام مخلوق کے درمیان کچھ وسیلے ہونے چاہئیں، جو خدا سے پیغام لیں اور مخلوق تک پہنچائیں۔

حاکم مطلق یعنی خدائے واحد و یکتا کے احکام و قوانین اس کی رعایا اور مخلوق تک پہنچانے اور ان کا عملی اجراء کرنے کرانے والوں کو ہی رسول و نبی کہا جاتا ہے۔

چونکہ نبی عام مخلوق میں خدا کا نمائندہ ہوتا ہے، اور سب پر اس کی اطاعت لازم ہوتی ہے۔ اس کے احکام خدا کے احکام ہوتے ہیں، اس کے بالمقابل کسی کو رائے زنی، قیاس آرائی کرنے اور اس کے فیصلے کے سامنے کسی کو چون و چرا کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ اس لیے عقل سلیم اور شرع قویم کہتی ہے کہ اسے انسان اور انسان کامل ہونا چاہیے۔ انسان اس لیے کہ بنص قرآن اشرف المخلوقات ہے اور سیرت و کردار میں کامل اس لیے کہ اس نے ناقصوں کی تربیت کرکے ان کو کامل بنانا ہے۔ لہٰذا خود اسے معصوم عن الخطا ہونا چاہیے۔ کیونکہ...... اس نے گنہگاروں کو نیکوکار بنانا ہے...... نیز اسے لوگوں کی دینی ضروریات کا عالم...... اور عالم بھی علم لدنی ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس نے جاہلوں کو عالم بنانا ہے اور ان کو علم دین سکھانا ہے، اسے بہادر ہونا چاہیے۔ کیونکہ امن ہو یا خوف، صلح ہو یا جنگ، ہر حال میں اس نے دین پہنچانا اور پھیلانا ہے۔

الغرض اسے تمام انسانی کمالات سے متصف اور تمام انسانی نقائص سے پاک و صاف ہونا چاہیے، تاکہ اس کی سیرت و کردار لوگوں کے لیے ایک مثال و معیار قرار پا سکے...... یہ نبوت جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی تھی عبداللہ و آمنہ کے لعل، حسنین شریفینؑ کے

جبکہ تاجدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی صفات پر ختم ہوگئی۔ اب قیامت تک ان کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا...... اب قیامت تک ان کے بعد انہی کی ذات بابرکات کا اسوۂ حسنہ ساری کائنات کے لیے خضرِ راہ اور مشعلِ ہدایت ہے۔

رخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دُوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دُکانِ آئینہ ساز میں

④ امامت:

موت برحق ہے، جس سے خُدا کے سوا کوئی ہستی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ ع

جب احمدِ مُرسلؐ نہ رہے کون رہے گا

بنابریں نبی ورسول کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد...... اگر رعایا کے لیے کسی مرکز کا کوئی انتظام نہ کیا جائے اور خُدائی قانون کے جاری کرنے والے اور پیغمبر کی لائی ہوئی شریعت کی حفاظت کرنے والے کا کوئی بندوبست نہ کیا جائے، بلکہ عام لوگوں کو مُطلق العنان اور ان کو اپنی رائے اور مرضی کے مطابق عمل کرنے کی آزادی دیدی جائے تو نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ لوگ افتراق و انتشار کا شکار ہوجائیں گے اور نبی ورسول نے امت میں جو نظم وضبط پیدا کیا تھا اور جس طرح مختلف لوگوں کی شیرازہ بندی کی تھی، اس کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اور اس طرح نبی ورسول کی آمد اور تقرری کا جو مقصد تھا وہ فوت ہوجائے گا۔ لہٰذا خُدائے حکیم کے لیے محال ہے کہ وہ ایسا کرے اور اپنے کیے پر خود پانی پھیرے۔

بنابریں امت کو انتشار سے بچانے، اس کے لیے مرکز قائم کرنے، اور نبی کے بعد خُدا کے قانون کو چلانے اور نافذ کرنے کا نام عقیدۂ امامت ہے۔ جو ذات نبی ورسول مقرر کرتی ہے وہی ذات ان کے جانشین کا انتظام کرتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ امامت نص ہے اجماعی یا شورائی نہیں ہے۔ جس طرح ہر شخص نبی ورسول نہیں بن سکتا، بلکہ اس کے کچھ خُصُوصیات ہیں جو اس میں پائے جانے ضروری ہیں، جیسا کہ ابھی اوپر ان کو ضروری وضاحت سے بیان کیا جاچکا ہے اسی طرح ہر شخص نبی کا قائم مقام بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جس طرح نبی خُدا کا نمائندہ ہوتا ہے جس طرح نبی کی اطاعت خُدا کی اطاعت ہوتی ہے اسی طرح امام کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت ہوتی ہے۔

الغرض اس مرکز میں اصلی حکومت خُدا کی ہوتی ہے اور اس کی نمائندگی میں رسول اور اس کے جانشین مرکز اتباع ہوتے ہیں، اور نظام اسلام چلاتے ہیں۔ اسی لیے نبی کی طرح امام کے لیے بھی عصمت، علم لدُنّی اور شجاعت ضروری ہے۔ خلاصہ یہ کہ کسی نبی کی مسند کا وارث وہ ہوگا جو نبی کے اوصاف وکمالات کا آئینہ دارِ نظر آئے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد اس معیار امامت پر صرف بارہ ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام ہی پُورے اُترتے ہیں۔ لہٰذا خلافتِ الٰہیہ اور امامتِ رَبّانیہ کے علمبردار اور حق دار صرف وہی ذواتِ قادسیہ ہیں۔

علیؑ ہے نفسِ مُصطفیٰؐ وہی سب اس میں عادتیں
سپہر تھر تھرا گیا دِکھائیں وہ شجاعتیں

باقی صفحہ ۳۹ پر

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

راگ اور اس کے سیکھنے وسکھانے اور اس کے ذریعہ روزی کمانے کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ اس کی حقیقت وماہیت کے بارے میں فقہاء اور اہل لغت میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے اکثر فقہاء نے اس کی تعریف یوں کی ہے ۔ ہو مد الصوت المشتمل علی الترجیع المطرب ۔ یعنی اس طرح آواز کا کھینچنا اور دراز کرنا کہ جس سے طرب اور ترجیع (گٹکٹی) پیدا ہو۔ مگر علماء محققین کی تحقیق یہ ہے کہ فقیہ کا کام صرف حکم شرعی کا بیان کرنا ہے، اس کے موضوع کی تشخیص و تعیین کرنا اس کا وظیفہ نہیں ہے ۔ لہذا دیگر موضوعات کی طرح "غنا" کی تشخیص میں بھی "عرف خاص" (گانے بجانے والے لوگوں) کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ بنابریں ہر اچھی آواز کو غنا نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں البتہ جس مخصوص آواز کو گانے والے لوگ "غنا" قرار دیں، اسے غنا تصور کیا جائے گا، اور وہ آواز حرام ہوگی۔ قرآن و حدیث اس کی حرمت پر متفق نظر آتے ہیں۔

(۱) ارشاد قدرت ہے ۔ "واجتنبوا قول الزور" ۔ "قولِ زور سے بچو" ۔ اس آیت کی تفسیر میں روایات مستفیضہ وارد ہوئے ہیں کہ "قولِ زور" سے مراد "غنا" ہے۔

چنانچہ صحیحہ شحامؒ، مرسلہ ابن ابی عمیرؒ اور موثقہ ابی بصیر جو کہ کافی میں موجود ہیں۔

اور عبد الاعلیٰ کی روایت جو معانی الاخبار میں اور حسنہ ہشامؒ جو تفسیر قمی میں ہے، ان سب میں حضرت صادق آلِ محمد علیہ سے اسکی یہی تفسیر مروی ہے ۔ فراجع

(۲) اسی طرح ارشادِ قدرت ہے: ومن الناس من یشری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم (پ ۲۱ سورہ لقمان) "اور آمیوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو لہو الحدیث کے خریدار ہیں تاکہ بغیر علم لوگوں کو خدا کی راہ سے بھٹکائیں"۔ اخبارِ مستفیضہ میں وارد ہے کہ "لہو الحدیث" سے مراد "غنا" ہے ۔ چنانچہ صحیحہ محمد بن مسلم اور مہران ابن محمدؒ وشاء حسن بن ہارون اور عبد الاعلیٰ کی روایات جو صادقین سے مروی ہیں ان سب میں "لہو الحدیث" کی تفسیر "غنا" سے کی گئی ہے۔ نیز آیت مبارکہ: "والذین لا یشھدون الزور" ۔ "مومن وہ ہوتے ہیں جو مقام زور پر حاضر نہیں ہوتے" کی تفسیر میں حضرت صادق علیہ سے محمد بن مسلم کی صحیحہ مروی ہے کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو اس جگہ حاضر نہیں ہوتے جہاں غنا کا ارتکاب کیا جاتا ہو۔ (تفسیر برہان ۔ صافی ۔ نور الثقلین وغیرہ)

اور جہاں تک روایات کا تعلق ہے تو بقول

صاحب "ایضاح المکاسب" وہ حد تواتر تک پہنچے ہوئے ہیں ۔ بطور تبرک دو چار روایات یہاں درج کیے جاتے ہیں ۔

① بسند صحیح زید شحام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آنجناب نے فرمایا: "بيت الغناء لا يؤمن فيه الفجيعة ولا تجاب فيه الدعوة ولا يدخله الملك"۔ کہ جس گھر میں گانا گایا جائے وہ ناگہانی مصیبت سے محفوظ نہیں ہوتا، نہ اس میں کوئی دعا قبول ہوتی ہے اور نہ ہی اس میں کوئی رحمت کا فرشتہ نازل ہوتا ہے ۔ (الکافی)

② حضرت امام جعفر صادق علیہ سے مروی ہے فرمایا: "الغناعش النفاق" کہ غنا و سرود نفاق کا آشیانہ ہے (وسائل الشیعہ)

③ نیز بروایت حسن بن ہارون انہی جناب علیہ سے منقول ہے فرمایا: "مجلس الغنا لا ينظر الله الى اهله"۔ جس مجلس و محفل میں غنا کا ارتکاب کیا جائے خدا اس کے اہل کی طرف نظر رحمت نہیں کرتا ہے ۔ (قرب الاسناد ۔ وسائل الشیعہ)

④ بروایت محمد بن مُسلم حضرت امام باقر علیہ سے مروی ہے ۔ فرمایا: الغناما اوعد الله عليه النار کہ غنا ان گناہانِ (کبیرہ) میں سے ہے جن پر خدا نے دوزخ کی وعید فرمائی ہے ۔ (کافی ۔ صافی)

⑤ عبداللہ بن سنان حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے اور وہ اپنے آباء واجداد طاہرینؑ کے سلسلہ سند سے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: اقرئوا القران بالحان العرب واصواتها واياكم ولحون اهل الفسق واهل كبائر فانه سيجئ بعدى اقوام يرجعون القران ترجيع الغنا و النوح والرهبانيه لا يجوز تراقيهم قلوبهم مقلوبة وقلوب من يعجبه شانهم۔ قرآن کو عربوں کے سادہ لب ولہجہ میں پڑھو۔ خبردار اہل فسق و فجور و کبائر کی طرز سے اجتناب کرنا۔ میرے بعد کچھ ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کو غنا، نوحہ اور رہبانیت کے انداز میں پڑھیں گے ۔ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا ان کے اور جن کو ان کا یہ انداز پسند ہے سب کے دل ٹیڑھے ہوں گے ۔ (الکافی)

مسائل واحکام

مسئلہ ①: مذکورہ بالا حقائق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ "غنا" آواز کی ایک مخصوص کیفیت ہے جس میں الفاظ کے مادہ کو کوئی دخل نہیں کہ وہ اچھے ہوں یا برے ۔ لہٰذا اس کی حرمت میں کوئی فرق نہیں ۔ خواہ غزل میں ہو یا قرآن میں ۔ سید الشہداءؑ کے مرثیہ میں ہو یا دعاء و اذان میں، بلکہ اگر عبادت واطاعت کے کاموں میں اس کا اِرتکاب کیا جائے تو اس سے اس گناہ کی سنگینی اور بڑھ جاتی ہے ۔ اس سلسلہ میں چار علماء کی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں ۔

① استاذ المجتہدین شیخ مرتضیٰ انصاری قدس سرہٗ فرماتے ہیں: وظهر مما ذكرنا انه لا فرق بين استعمال هذه الكيفية فى كلام حق او باطل فقراته القرآن والدعا والمرائى بصوت يرجع فيه على سبيل اللهو لا اشكال فى

حرمتها ولا فی تضاعف عقابها لكونها معصية فی لمقام الطاعة واستحقاقاً بالمقر والمدعو والمرثی۔

(۲) عالم ربانی جناب شیخ زین العابدین مازندرانی قدس سرہ فرماتے ہیں: "در مراثی و قرآن غنا عذابش بیشتر است"۔ (ذخیرہ العباد صفحہ ۵۴)

(۳) آیۃ اللہ آقا سید ابو الحسن اصفہانی قدس سرہ فرماتے ہیں: ولا فرق بين استماله فی كلام حق من قرائته او دعاء او مرثيه و غيره من شعر و نثر بل تيضاعف عقابه لو استعمله فيما يطاع به الله كفرائة القران ونحوها

(وسیلۃ النجاۃ جلد ۲ صفحہ ۴۱)

(۴) علامہ شیخ احمد جزائری قدس سرہ فرماتے ہیں:

واعلم انه لا فرق فی تحريمه بين كونه فی قرائته القران او دعا او غيرهما (قائد الوارص ۱۹۵ طبع قدیم)

ان تمام عبارتوں کا مفہوم وہی ہے جو اوپر مذکور ہے۔

مسئلہ (۲): نیز مخفی نہ رہے کہ بناء بر تحقیق غناء کی حرمت زنا کی مانند ذاتی ہے جو قابل تخصیص نہیں ہے اگرچہ بعض اخبار و آثار سے آشکار ہوتا ہے کہ شادی کی تقریب میں اس کنیز کا گانا جائز ہے جو نہ کوئی آلہ غنا استعمال کرے، نہ کوئی اجنبی اس کی آواز کو سنے اور نہ ہی کوئی اجنبی وہاں موجود ہو۔ مگر احوط یہ ہے کہ اس سے بھی اجتناب کیا جائے۔ کذافی الجواہر والوسیلہ صفحہ

اور یہ جو بعض فقہاء کے کلام میں حدی خوانی میں غنا کے جواز کا قول ملتا ہے، یہ بے دلیل و برہان ہونے کی وجہ سے قابل اعتماد نہیں ہے۔

مسئلہ (۳): غنا فی نفسہ حرام ہے۔ خواہ اس کے ساتھ آلاتِ غنا کا استعمال کیا جائے یا نہ۔ اور جن بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ غنا صرف اسی صورت میں حرام ہوتا ہے کہ جب اس کے ساتھ آلاتِ غنا ہوں تو ان کا یہ قول بالکل ضعیف اور ناقابل توجہ ہے۔ ہاں البتہ اگر آلاتِ غنا کو بھی اس کے ساتھ استعمال کیا جائے تو اس سے حرمت کی سنگینی اور بڑھ جائے گی۔

مسئلہ (۴): جن بعض آثار سے قرآن و ذکر وغیرہ میں غناء کا جواز مترشح ہوتا ہے تو علاوہ اس کے کہ ایسے اخبار سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں، جو سابقہ آیات و روایات کے مقابلہ و معارضہ کی تب و تاب نہیں رکھتے، بلکہ بوجہ مخالف قرآن ہونے کے ناقابل قبول ہیں۔ اور بناء بر تسلیم تقیہ پر محمول ہیں (فلا تغفل) اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ: "اجر المغنی والمغنیہ سحت"۔ گانے بجانے والے مرد اور عورت کی یہ آمدنی حرام ہے۔ جیسا کہ ارشادات معصومین میں وارد ہے۔ (من لا یحضرہ الفقیہ) اس لیے اس کام کو ذریعہ معاش بنانا حرام ہے۔

مسئلہ (۵): جس طرح گانا حرام ہے اسی طرح اس کا سننا بھی حرام ہے خواہ اس کا ارتکاب محفل نعت و سماع میں ہو یا مجالس عزا میں۔ واللہ الموفق۔

باب التفسیر

اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں کی پرستش کرنے والوں کی مثال

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَیۡطٰنًا مَّرِیۡدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَہُ اللّٰہُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِکَ نَصِیۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّ لَاُضِلَّنَّہُمۡ وَ لَاُمَنِّیَنَّہُمۡ وَ لَاٰمُرَنَّہُمۡ فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّہُمۡ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلۡقَ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یَّتَّخِذِ الشَّیۡطٰنَ وَلِیًّا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَقَدۡ خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِیۡنًا ﴿۱۱۹﴾ یَعِدُہُمۡ وَ یُمَنِّیۡہِمۡ ؕ وَ مَا یَعِدُہُمُ الشَّیۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِکَ مَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ۫ وَ لَا یَجِدُوۡنَ عَنۡہَا مَحِیۡصًا ﴿۱۲۱﴾ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقًّا ؕ وَ مَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیۡلًا ﴿۱۲۲﴾

(سورۃ النساء: ۱۱۶ تا ۱۲۲)

ترجمۃ الآیات

بے شک اللہ اس جرم کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا (جو کم درجہ کے جرائم ہیں) جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔ اور جو کسی کو اس کا شریک ٹھہرائے وہ گمراہ ہوا (اور اس میں بہت دور نکل گیا۔ (۱۱۶)

یہ (مشرک) لوگ اللہ کو چھوڑ کر نہیں پکارتے مگر زنانی چیزوں (دیویوں) کو (ان کی عبادت کرتے ہیں) اور نہیں پکارتے مگر سرکش شیطان کو (اس کی پرستش کرتے ہیں) (۱۱۷)

جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس نے کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے اپنا مقررہ حصہ لے کر رہوں گا۔ (۱۱۸)

اور انھیں ضرور گمراہ کروں گا اور میں انھیں مختلف آرزوؤں میں الجھاؤں گا (انھیں سبز باغ دکھاؤں گا) اور انھیں حکم دوں گا کہ وہ ضرور چوپاؤں کے کان شگافتہ کریں گے۔ اور میں انھیں حکم دوں گا کہ وہ خُدا کی خُدائی ساخت کو ضرور بدل دیں گے۔ اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا سرپرست بنائے گا وہ کھلا ہوا نقصان اٹھائے گا۔ (۱۱۹)

وہ شیطان لوگوں سے وعدے کرتا ہے اور انھیں (جھوٹی) امیدیں دلاتا ہے۔ اور ان سے شیطان وعدہ نہیں کرتا مگر فریب کے طور پر۔ (۱۲۰)

یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ جس سے وہ چھٹکارے کی راہ نہیں پائیں گے۔ (۱۲۱)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ہم عنقریب انھیں ان بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گے۔ وہ ان میں ہمیشہ

ہمیشہ رہیں گے (یہ) اللہ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون بات کا سچا ہے؟ (۱۲۲)

تفسیر الآیات

ان اللہ لا یغفر ...... الآیۃ

اس آیت کی مکمل تفسیر اسی سورہ کی آیت نمبر ۳۶ و ۴۸ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ ان مقامات کی طرف رجوع کیا جائے۔

ان یدعون ...... الآیۃ

اللہ کو چھوڑ کر غیروں کے پرستار زنانے قسم کی چیزوں کی پرستش کرتے ھیں

وہ اللہ کو چھوڑ کر نہیں پکارتے مگر زنانے قسم کی چیزوں کو۔ یہاں مُفسّرین نے "یدعون" کے معنی "یعبدون" کیے ہیں۔ چونکہ مشرکوں نے اپنے بتوں کے نام زنانے قسم کے رکھے ہوئے تھے، جیسے لات، منات اور عزیٰ وغیرہ اور ان کو معبود سمجھ کر ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے۔ نیز وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ چنانچہ خداوند کریم ان کی زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُم بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا ۚ إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا (سورۃ الاسراء: ۴۰)

اس لیے وہ بتوں کے نام لڑکیوں کے نام پر رکھتے تھے، اور ان سے مراد فرشتے لیتے تھے۔ جنھیں وہ خُدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے اور ابتداء میں تو خُدا تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھ کر ان کی پرستش کرتے تھے۔

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (سورۃ الزمر: ۳)

پھر رفتہ رفتہ انہی کو خالق و رازق اور معبود برحق سمجھنے لگ گئے۔ بعد ازاں خدا فرماتا ہے:

وَإِن يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَّرِيدًا

کہ یہ دراصل سرکش شیطان کو پکارتے ہیں۔ یعنی اس کی عبادت کرتے ہیں جس نے انھیں گمراہ کیا ہے۔ بظاہر تو کوئی بھی سیطان کو معبود سمجھ کر ففاس کے سامنے مراسم بندگی نہیں بجا لاتا، اور اس کی عبادت نہیں کرتا تو پھر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس عبادت سے شیطان کی اس طرح اطاعت مُطلقہ کرنا مراد ہے کہ جدھر وہ اپنے مُطیع کی باگیں پھیرے یہ ادھر پھرتا جائے۔ گویا شیطان اس کا معبود ہے اور یہ اس کی عبد۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی اندھی اتباع کرنے اور بلا چون و چرا اطاعت کرنے کا نام عبادت ہے۔

اب اگر وہ مطاع و مُقتدا حکم خُدا کے مطابق حکم دیتا ہے تو یہ مُطیع و منقاد بندہ خُدا کی عبادت ہے اور وہ خود شیطان ہے یا شیطان کے احکام کے مطابق دیتا ہے تو پھر یہ اطاعت گزار بھی شیطان کا عبادت گزار ہے۔

لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ ...... الآیۃ

جب شیطان خدا کے بنائے ہوئے خلیفۃ اللہ کی بڑائی و برتری کا انکار اور اپنی کبریائی و بڑائی کا اظہار کر کے نیز حکم خُدا کے بالمقابل اپنی رائے اور قیاس پیش کرنے کی وجہ سے راندۂ بارگاہ ہوا تو اس نے زبانِ حال و مقال سے خُداوند عالم کی بارگاہ میں چند دعوے کیے تھے

وَلَأُضِلَّنَّهُمْ ...... الآیۃ

میں تیرے بندوں میں سے اپنا حصّہ لوں گا۔ اور

انھیں گمراہ کروں گا۔ یعنی اس نے کہا: "لاغوینهم اجمعین" میں سب کو گمراہ کروں گا۔ ارشادِ قدرت ہوا: "ان عبادی لیس لک علیهم سلطان" جو میرے بندے ہوں گے ان پر تیری کوئی دسترس نہیں ہوگی۔ اور یہ بات اب شیطان نے بھی تسلیم کر لی کہ "الا عبادک منهم المخلصین" کہ ہاں تیرے مخلص بندوں کے سوا باقی سب کو گمراہ کروں گا ارشادِ قدرت ہوا: "لاملئن جهنم منک و ممن تبعک" میں بھی جہنم کو تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے بھروں گا۔

شیطان کا بندوں سے کس قدر حصہ ہے؟

حضرت رسولِ خدا ﷺ سے مروی ہے، فرمایا: "من بنی آدم تسعت و تسعون فی النار و واحد فی الجنة" اولادِ آدم میں سے ننانوے جہنم میں جائیں گے اور صرف ایک جنت میں جائے گا۔ اور دوسری روایت میں وارد ہے: "من کل الف واحد لله و سائر هم للنار و لابلیس" ہزار میں سے ایک اللہ کے حصہ کا ہوگا اور باقی سب (۹۹۹) جہنم اور شیطان کے حصہ کے ہوں گے۔ (مجمع البیان)

ارشادِ قدرت ہے:

وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورۃ سبا: ۲۰)

شیطان نے جو کہا تھا اسے سچ کر دکھایا، اس لیے چند اہلِ ایمان کے سوا باقی سب نے اس کی پیروی کر لی۔

ولامنینهم ...... الآیة

میں انھیں لمبی امیدوں میں الجھاؤں گا اور انھیں سبز باغ دکھاؤں گا۔ "امنیة" جس کی جمع "امانی" ہے جھوٹی امید کو کہا جاتا ہے۔ ہر انسان مختلف متنوع اور متعدد آرزوؤں کا مجموعہ ہے۔ ع

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

شیطان ہر شخص کے سامنے اس کی طبیعت کی افتاد اور اس کے مزاج کے مطابق جھوٹی خواہشات کے تاج محل تعمیر کرتا ہے اور پھر انہی آرزوؤں کے زرتار جالوں میں اسے پھنساتا ہے، اور غلط توقعات اور توہمات میں گرفتار کر کے اسے یادِ خدا منانے اور فرائض الٰہیہ بجالانے سے غافل کرتا ہے۔ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں: "ان اخوف ما اخاف علیکم اثنان اتباع الهوی و طول الامل، اما اتباع اهوی فیسد عن الحق و اما طول الامل الآخرة" مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خوف دو چیزوں کا ہے۔ ایک خواہش نفس کی پیروی اور دوسری لمبی امید۔ فرمایا: جہاں تک خواہش نفس کی پیروی کا تعلق ہے تو یہ آدمی کو حق سے روکتی ہے اور جہاں تک لمبی امید کا تعلق ہے تو یہ آدمی کو آخرت بھلا دیتی ہے۔ (نہج البلاغۃ)

الغرض شیطان کے کاروبار اور اس کے بازار کی رونق کا دارومدار اور اس کی وقتی کامیابی کا انحصار، اس کے جھوٹے وعدوں کے کبھی پوری نہ ہونے والی امیدوں اور سبز باغوں پر ہے۔ "وما یعدهم الشیطان الا غرورا"

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ ...... الآیة

الگ ورنہ ...... بعض میں انھیں اور دوں گا کہ وہ جانوروں کے کان شگافتہ کریں گے۔

عربوں کے توہمات اور بعض بدعات کی طرف

اشارہ کیا جارہا ہے کہ انھوں نے بعض حلال جانوروں کو مقدس سمجھتے ہوئے حرام قرار دے لیا تھا۔ یعنی جب کوئی اونٹنی پانچ یا دس بچے جن لیتی یا اس اونٹ کے مادہ منویہ سے پانچ یا دس بچے پیدا ہوجاتے اسے مقدس سمجھ کر (دیوتاؤں) کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اور اس سے کام لینا حرام سمجھا جاتا تھا اور علامت کے طور پر اس کا کان شگافتہ کردیا جاتا تھا۔

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ ...... الآیۃ

میں انھیں حکم دوں گا اور وہ اللہ کی پیدائشی ساخت میں ردوبدل کریں گے۔ اس سے کیا مراد ہے؟

بعض مُفسّرین نے اس سے عام چیزوں کی پیدائشی ساخت میں ردوبدل کرنا مراد لیا ہے۔ بظاہر یہ مفہوم درست معلوم نہیں ہوتا، ورنہ تمام انسانی تہذیب ہی اغواء ابلیس کی کارستانی نظر آئے گی۔ کیونکہ تہذیب تو نام ہی انہی تصرفات کا ہے جو ایک صناع خُدا کی بنائی ہوئی چیزوں کی بناوٹ میں کرتا ہے۔

بعض نے اس سے جانوروں کے کان کاٹنا، کسی مرد کو خصی کرنا، اور اسے خواجہ سرا بنانا، عورتوں کو بانجھ بنانا اور ان کی انوثیت کو بگاڑ کر انھیں مردوں کے مشابہ بنانا، مردوں کا داڑھی منڈوا کر اپنے کو عورتوں کا، اور عورتوں کا بال کٹوا کر اپنے کو مردوں کے مشابہ بنانا وغیرہ مراد لیا ہے اور اسے تغییر خلق اللہ کا مصداق قرار دیا ہے۔ جیسا کہ شیطان کے چیلے چانٹے آج کر رہے ہیں۔

اور بعض اس سے کسی چیز کا اس کے مقصد خلقت کے خلاف کسی اور مصرف میں صرف کرنا مراد لیا ہے۔ جیسے عمل قوم لوط، ضبط ولادت، رہبانیت یا سورج، دریا، اور پتھر وغیرہ اشیاء جو انسان کے نفع اندوز ہونے کے لیے پیدا کی گئی ہیں، ان کو اپنا معبود بنانا۔ اور ان سے خدمت لینے کی بجائے الٹا ان کی خدمت کرنا۔

اور بعض مُفسّرین نے اس خدا کی بناوٹ میں ردوبدل کرنے سے دین اسلام (جو کہ دین فطرت ہے) اس میں ردوبدل کرنا، ترمیم و تنسیخ کرنا اور غلط تاویل کرکے کچھ کا کچھ بنانا اور دین اسلام کا مقدس حلیہ بگاڑنا مراد لیا ہے۔ اور یہی تفسیر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ (عیاشی، تبیان، صافی، برہان)

جس کی تائید مزید اس ارشادِ قدرت سے بھی ہوتی ہے۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ

بعید نہیں ہے کہ اس تغییر خلق اللہ کو اس عمومی معنی پر محمول کیا جائے، جس میں یہ سب مفاہیم داخل ہوجائیں۔ (تفسیر صافی) پس جو شخص شیطان کا و پناولی و سرپرست بنائے گا، وہ کھلا ہوا گھاٹا اٹھائے گا اور انجام کار سیدھا جہنم میں جائے گا۔

والذین اٰمنوا ...... الآیۃ

قبل ازیں کئی بار اس حقیقت کا اظہار کیا جاچکا ہے کہ اسلام میں جو کہ دین فطرت ہے، نجات دارین اور فلاح کونین کا دارو مدار ایمان اور نیک کام پر ہے۔ اور یہ بات عیاں را چہ بیان کی مصداق ہے اور اس حقیقت کا انکار وہی شخص کرسکتا ہے جس نے قرآن و حدیث کو پڑھا نہیں ہے اور اگر پڑھا ہے تو پھر انھیں سمجھا نہیں ہے۔

باب الحدیث

مؤمن مؤمن کا بھائی ہوتا ہے

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

(۱) ابوبصیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ: "مومن مؤمن کا جسم واحد کی مانند بھائی ہوتا ہے کہ جس طرح جسم کے کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم وہ تکلیف محسوس کرتا ہے"۔

(اصول کافی)

(۲) فضیل بن یسار بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے تنہا چھوڑتا ہے، نہ اسے دھوکا دیتا ہے، نہ اس سے خیانت کرتا ہے، نہ اس کا گلہ کرتا ہے، اور نہ اسے محروم کرتا ہے۔

(اصول کافی)

(۳) علی بن عقبہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: مومن مومن کا بھائی ہوتا ہے، اس کا رہبر و راہنما ہوتا ہے، نہ اس سے خیانت کرتا ہے، نہ اس پر ظلم و زیادتی کرتا ہے، نہ اسے دھوکا دیتا ہے اور نہ اس سے وعدہ خلافی کرتا ہے۔

(اصول کافی)

(۴) صالح احول بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب سلمانؓ اور جناب ابوذرؓ کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا تھا اور جناب ابوذرؓ سے عہد لیا تھا کہ سلمانؓ کی نافرمانی نہ کرنا۔

(اصول کافی)

وفیہ کفایۃ لمن لہ ادنی درایۃ

سائل: غلام فرید ہرل

سوال نمبر ۷۳۳: علامہ صاحب السلام علیکم! مجھ کو حضرت ام کلثوم سلام اللہ علیہا کے شوہر کا نام معلوم کرنا ہے۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

جواب: باسمہ سبحانہ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آپ کے شوہر نامدار کا نام جناب عون بن جعفر طیار تھا جو کہ آپ کے چچا زاد تھے۔ اور جناب عبداللہ کے چھوٹے بھائی تھے اور جو کہ مخالفین نے مشہور کر رکھا ہے اس کی حیثیت ایک افسانہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اس بات کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے ہماری کتاب تجلیاتِ صداقت کا مطالعہ کیا جائے یا تنزیہ الامامیہ کا۔

سائل: سید فراز احمد رضوی

سوال نمبر ۷۳۴: جناب عالی! اگر کسی شخص کو قطرہ قطرہ پیشاب آتا ہو تو نماز کیسے ادا کی جائے؟

جواب: باسمہ سبحانہ! اگر کچھ وقفہ ملتا ہو تو کپڑا بدل کر اور نیا وضو کر کے مختصر واجبی اذکار پر اکتفا کرتے ہوئے نماز ادا کرے۔ اور اگر اتنا وقفہ بھی حاصل نہ ہو تو لنگوٹ کس کر باندھ لے، تا کہ نجاست کپڑے اور بدن تک سرایت نہ کرے اور پھر مختصر نماز ادا کرے۔

واللہ العالم والغافر

قرآن کے علاوہ باقی آسمانی کتابوں میں تحریف کی وجہ:

سوال نمبر ۷۳۵: السلام علیکم! ایک سوال پوچھنے کی جسارت کر رہا ہوں، اس کا جواب نہیں معلوم کر پا رہا۔ سورت الحجر آیت ۹: ہم نے اس ذکر (قرآن) کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا انجیل، زبور اور تورات اللہ نے نہیں اتاری، اگر ہاں تو تحریف کیسے ہوگئی۔

جواب: باسمہ سبحانہ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ! بے شک سب آسمانی کتابیں خداوند عالم نے اتاری ہیں۔ مگر کسی بھی کتاب میں سوائے قرآن مجید کسی کتاب کی حفاظت کی ضمانت خدا نے نہیں دی۔ اس لیے باطل نوازوں نے تحریف کی مگر چونکہ خدا نے قرآن مجید کی حفاظت کی ضمانت: "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" دی ہے، لہٰذا وہ رحیم و کریم اپنے وعدہ کے مطابق ہر قسم کی تحریف سے قرآن مجید کی حفاظت فرما رہا ہے۔ ع

یہ رُتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

سائل: حسن بدائی

موضوع: ماتم کرنا

سوال نمبر ۷۳۶: السلام علیکم! علامہ صاحب! کیا ماتم کرنا جائز ہے؟ اور تشہد میں شہادت ثالثہ پڑھنی چاہیے؟

جواب: باسمہ سبحانہ! علیکم السلام ورحمۃ اللہ! ان دونوں مسئلوں کا اس سے پہلے جواب پیش کردیا گیا ہے۔ اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے کہ سادا ماتم کرنا جائز ہے، اور تشہّد میں شہادت ثالثہ کا اضافہ ناجائز ہے۔

واللہ العالم

سائل: حاکم مدثر علی

سوال نمبر ۷، ۳، ۷: میرا سوال قمہ زنی سے متعلق ہے

جواب: باسمہ سبحانہ! قبل ازیں ایک ایسے ہی سوال کا جواب دیا جاچکا ہے کہ جہاں جان کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو، اس اقدام سے اجتناب لازم ہے۔ ارشادِ قدرت ہے: "لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" (اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو) اگر ساری قوم قمہ زنی کر کے مرجائے تو حضرت امام حسین علیہ السلام کے مشن کو کیا فائدہ ہوگا؟ وہ کام کرنا چاہیے جس سے آنجناب کے کام و اقدام کو تقویت حاصل ہو اور وہ کام شریعت اسلامیہ پر عمل کرنا ہے وبس۔

سائل: عاصم خان مجتبائی واہ کینٹ

سماحۃ المرجع الدینی حضرت آیت اللہ العظمیٰ محمد حسین نجفی مدام ظلہ العالی...... السلام علیکم!

زندگی کے ابتدائی ایام سے لے کر تا حال جناب والا سے رابطہ اور خط وکتاب کرتے وقت یہی فکر ہمیشہ دامن گیر رہی ہے کہ آپ کی گوناگوں مصروفیات میں اضافہ کا سبب بن کر باعث عسر وحرج نہ بنوں۔ حضور کی زیارت سالانہ جلسے میں شرکت کے موقع پر ہی کی، آپ کی صحت کا خیال اور لوگوں کے ہجوم کو مدّنظر رکھ کر بھی سوالات نہ کرسکا کہ مجھے دیکھا دیکھی باقی لوگ بھی سوالات کی بوچھاڑ نہ کردیں۔ لیکن حضور کا مقام اس کا اہل ہے کہ جو سوالات آپ سے کیے جاسکتے ہیں کسی اور سے نہیں اور یوں جناب مستطاب سے چند سوال کرنا ناگزیر ہو چکا ہے۔

سوال نمبر ۱: کیا شیعہ موحدہ صوم وصلوٰۃ کی پابند باپردہ لڑکی کی شادی کسی سنی العقیدہ ایسے لڑکے سے ہوسکتی ہے جو ظاہراً آئمہ معصومینؑ سے محبت کا بھی اظہار کرتا ہو۔

جواب: باسمہ سبحانہ! نکاح میں کفایت شرط ہے۔ اور عمومی معاملات میں کفو سے مراد اسلام کیا جاتا ہے کہ مسلمان مسلمان کا کفو ہے۔ مگر عقد نکاح اور وہ بھی مومنہ لڑکی کے بارے میں جو دوسرے عقائد حقہ کے علاوہ ولایت اہل بیت کی قائل ہو بنا بر احتیاط لازم وایمان شرط ہے۔ یعنی مومنہ لڑکی صرف مومن لڑکے کے عقد نکاح میں دی جائے، جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ العارفۃ لاتوضع الا عند عارف (وسائل الشیعہ) کہ مومنہ لڑکی صرف مومن لڑکے کے عقد میں دی جائے۔ کیونکہ اس کی خلاف ورزی سے عورت کے لیے مختلف مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے نماز پڑھنے کی کیفیت، سحری وافطاری کے اوقات کا اختلاف اور مزید برآں عزاداری سرکار سید الشہداء منانے میں دشواری پیدا ہوتی ہے۔ مزید تفصیل قوانین الشریعہ جلد ۲ میں ملاحظہ کی جائے۔

سوال نمبر ۲: بیوہ یا مطلقہ عورت جو اپنی بیٹی کی اکیلی کفیلہ وپرورش کنندہ ہو تو کیا ایسی ماں جو باپ کے قائم

مقام ہو، بیٹی کی شادی، عقد جبکہ بیٹی نابالغ ہو کر سکتی ہے؟

جواب: باسمہٖ سبحانہٗ! ماں جیسے بھی ہو وہ ولایت کے سلسلہ میں والد کی قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ یعنی اگر نابالغہ بیٹی کا کسی لڑکے سے نکاح کر دے تو نکاح تو صحیح ہو گا مگر لازم نہیں ہو گا۔ بلکہ عقد فضولی ہو گا۔ یعنی لڑکی کو بلوغت کے بعد اختیار ہو گا کہ اس نکاح کو بحال رکھے یا فسخ کر دے۔ مگر ولی شرعی (جو کہ باپ یا دادا ہوتا ہے) کا پڑھایا ہوا نکاح پختہ ہوتا ہے، لڑکی اسے بلوغت کے بعد فسخ نہیں کر سکتی۔

سوال نمبر ۳: دعائیہ جملے: "یا اللہ! محمدؐ و آلِ محمدؐ کے صدقے شفا عطا فرما"۔ اسی طرح: "یا اللہ بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ مجھے رزق میں وسعت عطا فرما" اسی طرح: "بجاہ النبی و آلہ الہ مجھے اولاد عطا فرما" وغیرہ کی صحیح توضیح و تشریح فرمائیں کہ ان سے حقیقی طور پر کیا مفہوم مراد ہوتا ہے" نیز کچھ لوگ اس ضمن میں تنقید کرتے ہیں کہ اللہ پر کسی کا کوئی حق نہیں اور اگر کسی کا حق ہو تو اس میں سے خود مانگنا بیوقوفی ہے۔ مثلاً وہ مثال دیتے ہیں کہ کسی کا اکاؤنٹ ہو اور بنک منیجر کو میں کہوں کہ اس کے اکاؤنٹ میں سے پیسے دے دو، یہ پرلے درجے کی بیوقوفی ہے۔ برائے کرم تبصرہ فرمائیں۔

جواب: باسمہٖ سبحانہٗ! خداوند عالم نے از راہِ لطف و کرم اہلِ ایمان کو اپنی بارگاہِ مقدس میں وسیلہ پیش کرنے کا حکم دیا ہے کہ "یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و ابتغوا الیہ الوسیلۃ" (القرآن) بنابریں کہ کائنات کا منتظم اعلیٰ خداوند عالم ہے اور تمام امور تکوینیہ از قسم خلق و رزق اور موت و حیات و شفا وغیرہ کی انجام دہی اسی سے وابستہ ہے۔ اس لیے اگر بندوں کے گناہوں کی وجہ سے کبھی خالق اکبر ناراض ہو جائے یا حاجت برآری میں دیر و درنگ ہو جائے تو اس نے اپنی بارگاہ میں از راہِ لطف و کرم وسیلہ پیش کرنے کا حکم دیا ہے۔ یعنی یوں کہا جائے کہ: یا اللہ! ہم جیسے بھی گنہگار و خطا کار ہیں نام لیوے تو سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کے ہیں، ان کی شان و شوکت اور ان کے حقوق کا واسطہ ہمارے حالِ زار پر رحم و کرم فرما۔ ہمیں یہ عطا فرما اور وہ عطا فرما......

اب جہاں تک ان ذواتِ مقدسہ کی عظمت و جلالت کا تعلق ہے وہ تو لا کلام حاصل ہے۔ اور جہاں تک ان کے حقوق کا تعلق ہے وہ ناقابلِ انکار ہیں۔ یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے یہ ایسا کہنے والوں کی قرآن و سنت سے جہالت اور لاعلمی کی دلیل ہے۔ ورنہ قرآن و سنت میں بندوں کے ان حقوق سے چھلک رہے ہیں۔ جو ان کو اللہ تعالیٰ پر حاصل ہیں۔ مثلاً ارشادِ قدرت ہے: "و ما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا" (القرآن) زمین میں چلنے پھرنے والے ہر جاندار کی روزی اللہ کے ذمہ ہے۔

نیز فرماتا ہے: "حقا علینا نصر المومنین" (القرآن)

اہلِ ایمان کی نصرت ہمارے ذمہ ہے۔

اسی طرح ارشاد فرمایا: "حقا علینا ننجی المومنین"

اہلِ ایمان کو نجات دینا ہمارے ذمہ لازم ہے۔

"کتب علی نفسہ الرحمۃ" اللہ تعالیٰ نے رحمت کرنا اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے۔

نیز فرمایا: "ان رحمة الله قریب من المحسنین" (القرآن) اللہ تعالیٰ کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔

جب ان ارشاداتِ خُداوندی کے مطابق تمام بندوں بلکہ تمام مخلوقات کے حقوق اللہ تعالیٰ پر لازم ہیں تو سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ ترین مخلوق ہیں اور مقرب بارگاہِ خُدا ہیں تو ان کے حقوق کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟ اور یہ سب کچھ خُدا نے ازراہِ لطف و کرم کیا ہے۔ کسی اور ہستی کے اس پر یہ حقوق نہیں۔

سوال نمبر ۴: بعض اہلِ علم مخصوص مسائل شریعت جن کا تعلق ازدواجی زندگی سے ہوتا ہے مثلاً جنابت وغیرہ کے مسائل کھول کھول کر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ شرکاء درس بالغ، نابالغ، عورت، مرد وغیرہ سے مخلوط ہوتے ہیں، جن سے ماحولیاتی تقدس پامال ہوتا ہے۔ ائمہ معصومینؑ اور علمائے ابرار کا اس سلسلہ میں طریقہ تربیت کیا تھا اور کیا ہے، وضاحت فرمائیں کہ کیسا ہونا چاہیے۔

جواب: باسمہٖ سُبحانہ! جن مسائل کا تعلق ازدواجی زندگی سے ہوتا ہے جیسے غسل جنابت وغیرہ تو ایسے مسائل کو ایسے مجمع میں جو بالغوں اور نابالغوں اور عورتوں و مردوں اور بچوں پر مشتمل ہوں مجمل انداز میں بیان کرنا چاہیے۔

سوال نمبر ۵: ایسی روایات جن میں اس طرح کے مضامین مذکور ہیں مثلاً: جب موسیٰؑ کا عصا اژدہا بنا تو انھوں نے خوف محسوس کیا اور اللہ سے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے صدقے کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے دعا کی وغیرہ (بحار الانوار) جو حضرات اس اور اس جیسی روایات پر تنقید کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ قرآن نے اس واقعے کو نقل کیا ہے، اس میں اس طرح سے ہے کہ "جب موسیٰؑ نے خوف محسوس کیا تو اللہ نے کہا: "ہم اسے واپس اس کی حالت پر پلٹا دیں گے" اور موسیٰؑ کی مذکورہ بالا دعا کا اس مقام پر بیان نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ایسا کوئی واسطہ انھوں نے نہیں دیا تھا۔ برائے کرم تبصرہ فرمائیں۔

جواب: باسمہٖ سُبحانہ! قرآن مجید میں مذکرہ واقعات کی تفصیلات مذکور نہیں ہوتی ہیں، لہٰذا اگر کسی قصہ کی تفصیل مستند احادیث میں بیان کر دی جائیں تو بعید از عقل نہیں ہے۔ کیونکہ ہم حسبنا کتاب اللہ کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ انی تارك فیکم الثقلین ...... الخ کے قائل ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جب جناب آدمؑ سے ترک اولیٰ صادر ہوا تو "فتلقی آدم من ربه کلمات فتاب علیه" تو جناب آدمؑ نے اپنے پروردگار سے چند کلمات حاصل کیے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

برادرانِ اسلامی کے مُفسّر علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر در منثور میں اور ہمارے مُفسّر سید ہاشم ...... نے اپنی تفسیر البرہان میں بیان کیا ہے کہ انھوں نے بارگاہِ خداوندی میں پنجتن پاک کا واسطہ دیا تھا۔ کیونکہ یہ حضرات وسیلة الوسائل ہیں

سوال نمبر ۶: بعض اہلِ علم جن کا تعلق شیعیت سے ہے، ان سے سنا گیا ہے کہ جب امام زمانہؑ ظہور فرمائیں گے تو روضۂ امام حسینؑ کو مسمار کر دیں گے۔ یہ ان کے مطابق روایت ہے۔ کیا ایسی کوئی روایت ہے؟ اور اگر ہے تو اس کی سند و صحت کیسی ہے؟ تبصرہ فرمائیں

جواب: باسمہٖ سُبحانہ! ایسی کوئی روایت نظر قاصر سے نہیں گزری۔ واللہ العالم

باب المتفرقات

کھانے پینے کے محرمات

تحریر: حجت الاسلام محمد حسینی بہارانچی

حرام کھانے

① سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا حرام ہے۔ نیز دیگر مقصد کے لیے بھی ان کا استعمال منع ہے۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: سونے چاندی کے برتن میں کھانا نہ کھاؤ اور جس برتن پر سونے چاندی کا پانی چڑھایا گیا ہو ان میں بھی کھانا نہ کھاؤ۔

(تہذیب الاحکام جلد ۹ صفحہ ۹۰)

☆ صاحبِ حدائق لکھتے ہیں کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے جبکہ علامہ نے "تذکرہ" میں اور دیگر علماء نے فرمایا ہے کہ اس کے حرام ہونے پر اجماع ہے۔

② خبیث چیزیں کھانا حرام ہے۔ ہر وہ چیز کھانا حرام ہے جسے عرف میں خبیث کہا جاتا ہو۔

آیت اللہ خوئی فرماتے ہیں:

اللہ نے خبائث کو حرام کیا ہے۔ اور خبائث، "خبیث" کی جمع ہے۔ ہر وہ چیز خبیث ہے جس میں تباہی اور ہلاکت کا اندیشہ ہو۔ غیر شائستہ افعال کو بھی خبائث سے تعبیر کیا جاتا ہے اور سورۂ اعراف کی آیت ۱۵۷: "یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ" میں ہر طرح کے خبائث مراد ہیں، جبکہ سورۂ انبیاء کی آیت نمبر ۷۴: "وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ" میں قوم لوط کے خبائث اعمال مراد ہیں۔

راغب اصفہانی "المفردات" میں لکھتے ہیں کہ خبیث پست اور گھٹیا چیز کو کہا جاتا ہے اور اس لفظ کا اطلاق پست عقائد، پست گفتگو اور برے افعال پر ہوتا ہے۔

③ کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہمارے مخالفین کے باطل اقوال خبائث ہیں۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے: تمام ایسی چیزیں جن میں فساد ہو، ان کے کھانے، پینے، پہننے اور رشتے کرنے اور ان کی حفاظت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ مثلاً: مردار، خون، خنزیر، اور درندوں کا گوشت کھانا حرام ہے۔ اسی طرح سود، فحش کام اور شراب وغیرہ بھی معاشرے کے فاسد ہونے کا سبب ہیں۔ لہٰذا وہ بھی حرام ہیں جبکہ مردار، خون اور خنزیر اور درندوں کا گوشت انسانی بدن کے لیے مضر ہے، لہٰذا وہ حرام ہیں۔

④ درندوں کا گوشت کھانا حرام ہے، اگر چہ ان کے دانت نوک دار نہ ہوں۔

⑤ نوک دار دانت والے ہر صحرائی جانور کا گوشت

کھانا حرام ہے۔

⑥ جو پرندے اڑان کے دوران پر پھڑ پھڑائے بغیر اڑتے ہیں ان کا گوشت کھانا حرام ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو پرندہ پرواز کے دوران مسلسل پر پھڑ پھڑاتا ہو اس کا گوشت کھاؤ اور جو کچھ دیر کے لیے پر پھڑ پھڑائے بغیر اڑتا رہے وہ حرام ہے۔ (وسائل الشیعہ جلد ۱۶ صفحہ ۳۸۸)

صاحب شرائع الاسلام اور صاحب جواہر الکلام لکھتے ہیں:

کتا حرام ہے، اس کے متعلق سب مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کیونکہ یہ نجس ہے، درندہ ہے اور مسخ شدہ جانور ہے۔ بلی کا گوشت خواہ بلی پالتو ہو یا صحرائی، سب مذاہب کے اجماع کے مطابق حرام ہے۔ اس کی حرمت پر نص موجود ہے اور یہ بھی ایک درندہ ہے۔ خرگوش، سوسمار اور دوسرے ارضی حشرات کو گوشت کھانا بھی حرام ہے۔ نیز جو جانور بلوں میں رہتے ہیں مثلاً: سانپ، چوہا، بچھو وغیرہ وہ بھی حرام ہیں۔

اسی طرح جو کیڑا پھلوں (اور پھلیوں مثلاً مٹر وغیرہ) کے اندر ہوتا ہے وہ بھی حرام ہے۔ (جواہر الکلام جل ۳۶ صفحہ ۳۱۷۔۳۱۹)

⑦ حلال جانور میں بھی کچھ چیزوں کا کھانا حرام ہے۔

محاسن اور کافی میں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ گوسفند میں سات چیزیں حرام ہیں:

① خون ② کپورے
③ عضو تناسل ④ مثانہ
⑤ تلی ⑥ گوشت کی گرہ (غدہ)
⑦ پتّا

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ گوسفند میں دس چیزیں حرام ہیں۔

① پیشاب، پاخانہ ② خون
③ تلی ④ حرام مغز
⑤ دو پٹھے جو ریڑھ کی ہڈی کی دونوں ہوتے ہیں
⑥ گوشت کی گرہ ⑦ کپورے
⑧ عضو تناسل ⑨ فرج
⑩ پتّا

⑧ وہ حلال جانور جس سے کسی انسان نے بدفعلی کی ہو۔

آیت اللہ خمینی تحریر الوسیلہ میں فرماتے ہیں:

جس حیوان سے کسی انسان نے بدفعلی کی ہو اس کا گوشت کھانا حرام ہے اور انسانی ملاپ کے بعد اس کا دودھ پینا بھی حرام ہے۔ اس کی پشم اور بالوں کا استعمال بھی حرام ہے۔ اگر وہ جانور بھیڑ، بکری، گائے یا اونٹنی ہو تو اسے ذبح کر کے جلا دینا چاہیے اور جس انسان نے بدفعلی ہو ہو اس سے اس کی قیمت وصول کرنی چاہیے۔

⑨ اگر حلال جانور سورنی کا اتنا دودھ پیے کہ اس سے ہڈیاں مضبوط ہو جائیں اور گوشت پیدا ہو تو اس جانور اور اس سے پیدا ہونے والے جانوروں کا گوشت اور دودھ حرام ہوگا۔ یہ حکم سور کے دودھ سے مخصوص ہے۔ کتیا اور کافر عورت کے دودھ کے لیے نہیں ہے۔ اگر کسی حلال جانور نے تھوڑی مقدار میں سورنی کا دودھ پیا ہو جس سے اس کی

ہڈیاں مضبوط نہ ہوئی ہوں تو اس جانور کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔ اور اگر سات دن تک اس جانور کی رکھوالی کی جائے اور سورنی کا دودھ نہ پینے دیا جائے تو پھر کراہت بھی ختم ہو جائے گی۔

⑩ اگر حلال جانور شراب پی کر مست ہو جائے اور اسی حالت میں ذبح کر دیا جائے تو اس کے گوشت کو پاک کرنا ضروری ہے لیکن جو چیزیں اس کے پیٹ میں ہیں مثلاً دل، کلیجی (اور گردہ) وغیرہ حرام ہیں۔ اگر حلال جانور پیشاب پی لے تو اس کا گوشت پاک اور حلال ہے البتہ اس کے پیٹ کے اندر کی چیزوں کو پاک کرنا چاہیے۔ اگر حلال جانور کسی عورت کا دودھ پی کر بڑا ہوا ہو تو اس کا گوشت حرام نہیں، البتہ مکروہ ہوگا۔

آیت اللہ خمینی لکھتے ہیں کہ حلال جانور میں چودہ چیزوں کا کھانا حرام ہے:

① خون ② پیشاب پاخانہ
③ تلی ④ عضو تناسل
⑤ فرج ⑥ کپورے
⑦ مثانہ ⑧ پتّا
⑨ غدود ⑩ حرام مغز
⑪ بچہ دانی ⑫ علباء
⑬ غدہ مغز جو چنے کے دانے کے برابر ہوتا ہے
⑭ آنکھ کی پتلی

حلال جانور جنھیں ذبح یا نحر کیا جاتا ہے ان کی مذکورہ بالا چیزیں حرام ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی کی مذکورہ اشیاء حرام نہیں ہیں، البتہ ان کا فضلہ اور خون احتیاط واجب کی بنا پر حرام ہے۔

پرندوں (بشمول مرغی، بطخ وغیرہ) کا فضلہ اور خون حرام ہے۔ باقی چیزیں احتیاط واجب کی بنا پر حرام ہیں۔ ذبیحہ میں مذکورہ بالا چیزوں کے سوا باقی تمام چیزیں حلال ہیں۔ حلال جانوروں کا بول و براز حلال ہے۔ علاج کی غرض سے اونٹ کا پیشاب پینا بلا اشکال حلال ہے۔ ہر جانور کے زخم سے رستا ہوا پانی، ناک کا پانی اور آب بلغم حرام ہے۔ لیکن حلال جانوروں کا لعاب دہن اور پسینہ حلال ہے۔ (تحریر الوسیلہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۲)

حلال جانور میں پائی جانے والی حرام اشیاء

خون جہندہ رکھنے والے حلال جانور میں چودہ چیزیں حرام ہیں:

① خون، جو خون ذبح کے بعد بقدر معتاد نکل جانے کے بعد جسم میں باقی رہے وہ حلال ہے۔
② تلی ③ بچہ دانی
④ گوبر ⑤ پتّا (اور مثانہ)
⑥ عضو تناسل ⑦ فرج
⑧ کپورے ⑨ علباء
⑩ غدود ⑪ حرام مغز
⑫ پائے سے جڑی ایک رگ (اشاجع)
⑬ آنکھ کی پتلی ⑭ غدہ مغز

مؤلف عرض کرتا ہے کہ بعض فقہاء نے مذکورہ چیزوں کو حرام کہا ہے۔ صاحب شرائع الاسلام محقق حلی فرماتے ہیں کہ بعض اصحاب نے فرج، حرام مغز، علباء،

غدود، غدہ مغز اور آنکھ کی پتلی کو حرام کہا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ چیزیں مکروہ ہیں۔

بعض فقہاء کے نزدیک ان چیزوں کے حرام ہونے کی دلیل ان کی خباثت اور انسانی طبیعت کی نفرت ہے اور احتیاط یہ ہے کہ ان سے پرہیز کیا جائے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک جانور کی سانس نہ نکل جائے تب تک اس کی کھال نہ اتاری جائے۔ اور اگر کوئی ایسا کرے تو بعض روایات کے مطابق ایسے جانور کا گوشت حرام ہو جاتا ہے۔ چنانچہ شیخ طوسی اور ان کے پیروکاروں کا یہی فتویٰ ہے۔ ابن حمزہ کے نزدیک ایسے جانور کا گوشت کھانا مکروہ ہے، جبکہ شہید ثانی شرح لمعہ میں لکھتے ہیں کہ ایسے جانور کا گوشت نہ تو حرام ہے اور نہ مکروہ ہے۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ روایات میں جانور کو تکلیف دینے سے منع کیا گیا ہے۔ اسی لیے ہم اتنی آسانی سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ اگر مذکورہ حدیث کو مجہول الطریق قرار دیا جائے تو پھر اور بات ہے۔ واللہ اعلم

قرآن میں حرام کردہ جانور:

بہت سے زمینی، دریائی اور ہوائی جانور حرام ہیں، جن کا ذکر کتب فقہ میں تفصیل سے موجود ہے۔ ہم یہاں صرف ان جانوروں کا ذکر کرتے ہیں جن کو قرآن کریم میں حرام کہا گیا ہے۔ سورہ مائدہ آیت ۳ میں ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَن تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۚ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ ۙ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

(سورۃ المائدۃ:۳)

تم پر حرام کر دیا گیا ہے مردار، خون، سور کا گوشت اور جو جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے اور جو جانور گلا گھونٹ کر مار دیا جائے اور جسے سینگ لڑا کر ختم کرا دیا جائے اور جس کو درندے پھاڑ کھائیں۔ مگر یہ کہ جس کو تم (مرنے سے پہلے) خود ذبح کر لو، اور وہ جانور بھی جو تھان پر ذبح کیا جائے اور جس کی تم تیروں کے ذریعے قرعہ اندازی کرو۔ یہ سب گناہ کے کام ہیں...... جو شخص بھوک کی وجہ سے مجبور ہو جائے (بشرطیکہ) گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

عیون اخبار الرضا میں ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

مردار، خون، اور سور کے گوشت کا حرام ہونا معروف اور معلوم ہے، البتہ "وما اھل لغیر اللہ بہ" سے وہ جانور مراد ہے جو بتوں کے نام پر قربان کیا جائے اور "منخنقۃ" سے مراد وہ جانور ہے جسے گلا گھونٹ کر مارا جائے۔ مجوسی جانور کو ذبح نہیں کرتے تھے۔ وہ گائے اور بکری کو گلا گھونٹ کر مارتے تھے اور ان کا گوشت کھاتے تھے۔ "موقوذۃ" سے مراد وہ جانور ہے جسے لوگ پاؤں باندھ کر اتنا مارتے تھے کہ وہ چوٹ سے مرجاتا

تھا۔ پھر اسے کھاتے تھے۔ اور "متردیة" سے مراد وہ جانور ہے جسے لوگ اونچائی پر لے جاتے، اس کی آنکھیں بند کر دیتے اور اونچائی سے دھکا دے کر گرا دیتے تھے۔ جب وہ مرجاتا تو اس کا گوشت کھاتے تھے۔ اور "نطیحة" سے مراد یہ ہے کہ وہ جانوروں کو ایک دوسرے سے لڑاتے تھے۔ جب ایک جانور دوسرے جانور کے سینگ یا ٹکر سے مرجاتا تو اس کا گوشت کھاتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں جس جانور کو بھیڑیا یا شیر کھا جاتا لوگ اس کا بچا ہوا اٹھا لاتے اور کھا جاتے تھے۔ اللہ نے "ما اکل السبع الا ما ذکیتم" کہہ کر اس سے منع فرمایا۔ آتش پرست (مجوسی) اپنے آتش کدوں پر قربانی کے جانور چڑھاتے تھے اور قریش بھی درختوں اور پتھروں کی عبادت کرتے تھے اور ان کے لیے تھان پر جانور قربان کر کے چڑھاوا چڑھاتے تھے۔ اس کو "ما ذبح علی النصب" کہا گیا ہے۔ نیز یہ کہ جاہلیت کے زمانے میں عربوں میں رواج تھا کہ جب اونٹ پانچ سال پورے کر کے چھٹے سال میں داخل ہوتا تو دس آدمی حصہ ڈال کر اونٹ کو اس کے مالک سے خرید لیتے۔ پھر اونٹ کو نحر کر کے اس کے گوشت کے حصے کر دیے جاتے۔ پھر جوئے کے دس تیر لائے جاتے جن کے مختلف نام تھے۔ ایک شخص ان سے جوا کھیلتا تھا۔ سات تیروں کے سرے مڑے ہوئے ہوتے تھے اور تین تیروں میں کوئی لچک نہیں ہوتی تھی۔ پھر قرعہ نکالا جاتا تھا، قرعہ اندازی کا طریق کار یہ تھا کہ جس کے نام پر "فذ" نکلتا اسے ایک حصہ دیا جاتا تھا۔ جس کے نام "تواْم" نکلتا اسے دو حصے دیے جاتے تھے۔ جس کے نام پر "مسبل" نکلتا اسے تین حصے، اور جس کے نام پر "نافس" نکلتا اسے چار حصے اور جس کے نام پر "جلس" نکلتا تو اسے پانچ حصے، اور جس کے نام پر "رقیب" نکلتا اسے چھ حصے اور جس کے نام پر "معلی" نکلتا تو اسے سات حصے دیے جاتے تھے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے نام پر غیر لچکدار تین قرعے نکلتے، انھیں گوشت میں سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا اور اونٹ کی قیمت بھی ان ہی لوگوں سے وصول کی جاتی تھی۔ اور ان کو بدنصیب سمجھا جاتا تھا۔ یہ کھلم کھلا جوا تھا۔ اللہ نے اسے حرام قرار دیا اور اس کے ساتھ اس جانور کے گوشت کو بھی "و ان تستقسموا بالازلام" کہہ کر حرام قرار دیا۔

باب المتفرقات

بدکلامی اور بدزبانی

ترتیب: علی رضا نقوی

زبان انسانی جسم کا ایک چھوٹا سا جز ہے، اگر اس چھوٹے سے جز کی تربیت نہ کی جائے تو بڑے بڑے گناہوں کی مرتکب ہو جائے۔ علماء علم اخلاق نے زبان کے تقریباً بیس گناہ تحریر کیے ہیں۔

حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

صلاح الانسان فی حبس اللسان

انسان کی بہتری اس کی زبان کی حفاظت میں ہے۔

زبان انسان کی شخصیت اور اس کے کمال کا آئینہ دار ہے، زیرک اور ذی شعور انسان لوگوں کو چند باتوں کے ذریعہ پہچان لیتے ہیں۔ بقول شیخ سعدی:

تا مرد سخن نگفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

جہاں تک انسان بات نہ کرے اس کے عیب اور ہنر چھپے رہتے ہیں۔

اچھی بات اور مفید گفتگو، متکلم کی پاک طینتی اور باطنی پاکیزگی کی علامت ہوتی ہے، ناشائستہ اور بیہودہ گفتگو متکلم کی آلودہ ضمیر کی نشانی ہے۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

سنۃ اللئام قبح الکلام

کمینہ اور پست فطرت لوگوں کا شیوہ بدکلامی ہوتا ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے بدزبان شخص سے تعلقات توڑ لیے

ایک شخص اکثر اوقات حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں رہتا تھا، یہاں تک کہ وہ حضرتؑ کے ساتھ ہمیشہ رہنے کی بنا پر خاصی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ چنانچہ ایک دن وہ آپ کے ساتھ جوتا فروشوں کے بازار سے گزر رہا تھا، اور اس کا غلام بھی اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا، اس شخص نے پیچھے مڑکر غلام کو دیکھا تو وہ اسے نظر نہ آیا۔ چند قدم چل کر اس نے پھر اسے دیکھا، پھر بھی نظر نہ آیا، تیسری مرتبہ اسے غلام کی اس حرکت پر غصہ آ گیا کہ وہ اس سے اس قدر پیچھے کیوں رہ گیا ہے۔ غلام کو پیچھے رہنے کی جرأت کیسے ہوئی۔ جب چوتھی مرتبہ اس نے مڑ کر دیکھا تو وہ نظر آ گیا وہ شخص اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا، اور غلام کو ماں کی گالی دے کر کہا کہ......تو کہاں تھا؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس کی بدزبانی دیکھ کر اپنا ہاتھ زور سے پیشانی پر مارا، اور فرمایا: سبحان اللہ! تم اپنے غلام کو گالی دے رہے ہو، اور اس کی ماں کو برائی سے یاد کر رہے ہو؟ میں تو سمجھتا تھا کہ تم متقی انسان

ہو۔ اب معلوم ہوا کہ تمھارے اندر تقویٰ نہیں ہے۔

وہ شخص اپنی اس بدزبانی کی توجیہ کرتے ہوئے عرض کرنے لگا: فرزند رسولؐ! اس غلام کی ماں سندھی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ: اس کی ماں کافرتھی، سوتھی، ہر قوم اور ملت کے اپنے قوانین اور اپنے مذہب کے طریقے ہوتے ہیں، جن کے تحت وہ ازدواجی امور انجام دیتے ہیں، اس لحاظ سے ان کا یہ عمل زنا نہیں ہوتا، اور ان کی اولاد "ولد الزنا" نہیں کہلاتی۔ اس کے بعد فرمایا:...... اب تم مجھ سے دور ہو جاؤ۔ پھر اس شخص کو کسی نے آپؑ کے ساتھ کبھی نہ دیکھا۔ (اصول کافی مترجم جلد ۴ صفحہ ۱۵)

بدکلامی کا انجام

اب ہم مختصر طور پر بدزبانی کے برے انجام کے بارے میں کچھ باتیں عرض کرتے ہیں۔

① بدزبانی انسان کو خدا کے نزدیک بے قدر و قیمت بنا دیتی ہے اس کے اور خدا کے درمیان جدائی ڈال دیتی ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

ان اللہ یبغض الفاحش المتفحش

خداوند عالم گالی گلوچ بکنے والے کو دشمن رکھتا ہے۔

(میزان الحکمۃ جلد ۸ صفحہ ۱۵)

② بدزبان شخص کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو تین سال تک اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعا مانگا کرتا تھا کہ خدا اسے اولاد سے نوازے۔ لیکن جب اس کی دعا قبول نہ ہوئی تو وہ بہت ہی افسردہ خاطر ہوا۔

آخرکار اس نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص اسے کہہ رہا ہے کہ تم تین سال سے خدا کو بری اور آلودہ زبان سے پکار رہے ہو اور پھر اس بات کی توقع رکھتے ہو کہ خدا تمھاری آرزوؤں کو پورا کرے۔ جاؤ پہلے زبان کو ان آلودگیوں سے پاک کرو۔ پھر دعا مانگو، تاکہ خدا کے نزدیک ہو جاؤ، اور وہ تمھاری دعاؤں کو قبول کرے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس شخص نے انسان کی راہنمائی پر عمل کیا اور دعا مانگی، خدا نے اسے فرزند عطا کیا۔ (اصول کافی جلد ۴ صفحہ ۱۶)

③ بدزبان شخص پر جنّت حرام ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: خداوند عالم نے بہشت کو ہر اس بدزبان اور بیہودہ بکنے والے شخص پر حرام کر دیا ہے جسے اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ کیا بک رہا ہے اور لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ (میزان الحکمۃ جلد ۸ صفحہ ۱۴)

④ بدزبانی، نفاق کی علامت ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: گالی گلوچ، بدزبانی اور بیہودہ گوئی نفاق کی ایک علامت ہے۔

(اصول کافی مترجم جلد ۴ صفحہ ۱۷)

⑤ بدزبان شخص کا شمار بدترین لوگوں میں ہوتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: خدا کی بدترین مخلوق میں سے ایک بدزبان شخص بھی ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس کے ساتھ میل جول کو پسند نہیں کرتے۔

(اصول کافی مترجم جلد ۴ صفحہ ۱۷)

⑥ بدزبانی کی وجہ سے انسان کی زندگی سے برکت اٹھ جاتی ہے اور وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

امام معصوم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

من فحش علی اخیه المسلم نزع الله منه برکة رزقه و وکله الی نفسه و افسد علیه معیشته (وسائل الشیعه جلد ۱۱ صفحہ ۳۲۸)

جو شخص اپنے مُسلمان بھائی کو گالی دیتا ہے خُداوند تعالیٰ اس کے رزق و روزی سے برکت اٹھالیتا ہے اور اسے اس کے نفس کے سپرد کردیتا ہے اور اس کی زندگی کو تباہ کردیتا ہے۔

معصوم پیشواؤں کا کردار

مُسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے کردار اور اپنی رفتار کے لیے پیغمبر خُدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اطہار علیہم السلام کو اپنے لیے نمونہ قرار دے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ نے اپنی تمام عمر میں نہ صرف کبھی کسی کو ناسزا نہیں کہا، بلکہ اپنے بزرگوارنہ طرز زندگی سے نازیبا اور نامناسب گفتگو کرنے والوں کو شرمندہ کیا اور انھیں نیک راہ کی ہدایت کی۔ معصومینؑ کے کردار کی ایک جھلک دکھانے کے لے ی نمونے کے طور پر دو واقعات کو سپردِ قلم کیا جاتا ہے۔

حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: کسی یہودی کا رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرض تھا...... اس کی مقررہ مدّت جب ختم ہوگئی تو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا رُخ کیا۔ مدینہ کی ایک گلی میں اس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوگئی تو اس نے قرض کا مطالبہ کیا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فی الحال میرے پاس رقم نہیں ہے جس سے تمھارا قرضہ ادا کیا جاسکے۔

یہودی نے کہا: جب تک آپ میرا قرضہ واپس نہیں کریں گے میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی قسم کی ناراضگی یا غصے کا اظہار کیے بغیر اس کے ساتھ وہیں بیٹھ گئے۔ نمازِ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء وہیں ادا کی، حتی کہ دوسرے دن کی صبح کی نماز بھی وہیں پر ادا کی۔ اصحاب نے خواہش کی کہ اسے ڈانٹ ڈپٹ کر بھگا دیا جائے لیکن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"خُدا نے مجھے اس لیے نہیں بھیجا کہ میں کسی پر ظلم و ستم کروں، خواہ کوئی یہودی ہو یا غیر یہودی"۔

غرض ظہر کی نماز کا وقت قریب آ گیا۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ انجام کار کیا ہوگا؟ کہ اچانک یہودی اپنی جگہ سے اٹھا اور مؤدبانہ انداز میں حضورؐ کے سامنے کھڑا ہوکر کہنے لگا:

"اشهدان لا اله الا الله و اشهدان محمدا رسول الله"

پھر اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ جو مُشکلات میں نے آپ کے سامنے کھڑی کی تھیں یہ اس لیے نہیں تھیں کہ میں آپ سے اس ناچیز رقم کو واپس لوں اور نہ ہی آپ کو دکھ تکلیف دینے کے لیے ایسا کیا تھا، بلکہ میں آپ کو آزمانا چاہتا تھا کہ آپؐ واقعی خُدا کے رسول ہیں یا نہیں۔ کیونکہ میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ پیغمبر خاتم الانبیاء نہ تو سخت مزاج ہوگا نہ ہی تند خو و بدزبان اور بیہودہ کلام کرنے والا ہوگا، اور ہرگز کسی کو گالی نہیں دے گا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام ایک دن گھوڑے پر سوار ہوکر ایک کوچہ سے گزر رہے تھے کہ ایک شامی سے

آپ کی ملاقات ہوئی۔ وہ شخص معاویہ کے غلط پروپیگنڈے کی بنا پر دشمن اہلِ بیت بن چکا تھا۔ اس نے دیکھتے ہی برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ آپؑ خاموشی کے ساتھ اس کی باتیں سنتے رہے۔ جب وہ ختم کر چکا تو امام حسنؑ نے خندہ پیشانی کے ساتھ مُسکرا کر فرمایا:

"معلوم ہوتا ہے کہ تم مسافر ہو اور ہمارے دشمنوں کے دھوکے میں آکر ایسا کہہ رہے ہو۔ اگر تمھیں اپنے گھر سے نکال دیا گیا ہے تو ہم تمھیں گھر دیتے ہیں، اگر بھوکے ہو تو ہم تمھیں کھانا کھلاتے ہیں، اگر لباس کی ضرورت ہے تو لباس دیتے ہیں۔ آؤ ہمارے ساتھ ہمارے گھر چلو، تاکہ وہاں پر تمھاری خاطر تواضع کی جائے۔"

شامی آپؑ کی یہ باتیں سن کر رونے لگا اور کہنے لگا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ ہی رسولِ خُداؐ کے حقیقی جانشین اور خدا کی زمین میں خدا کے خلیفہ ہیں۔ اب تک آپؑ اور آپؑ کے جد امجد علی بن ابی طالب میرے نزدیک دنیا کے بدترین انسان تھے۔ لیکن اب خدا کی مخلوق میں سے محبوب ترین انسان ہیں۔

پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور حضرت امام حسن علیہ السلام کے ہمراہ آپؑ کے دولت کدہ پر گیا اور ایک عرصے تک آپؑ کا مہمان رہا اور اہلِ بیت اطہار علیہم السلام کا سچا اور حقیقی مُحبّ بن گیا۔

(بحار الانوار جلد ۴۳ صفحہ ۳۴۴)

حسن کلام اور خوش گفتاری، انبیاء اور اولیاء کا شیوہ ہے، اور دین خدا کی تبلیغ اور لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دینے کا ایک اہم عامل ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دو انبیاء موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرعون کی طرف بھیجا تو انھیں تاکید کردی کہ اس کے ساتھ نرمی سے بات کرنا، ہوسکتا ہے کہ وہ ہوش میں آجائے اور خدا کی عبادت کرنے لگے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اذهبا الی فرعون انه طغی فقولا له قولا لینا لعله یتذکر او یخشی

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے نرمی کے ساتھ گفتگو کرو، ہوسکتا ہے کہ وہ ذکر خدا کرنے لگے اور اس سے ڈرے۔

بدزبانی کا علاج

اس سلسلے میں چند نکات کو بیان کر دینا ضروری ہے

الف: انبیاء اور ائمہ علیہم السلام انسانی روح کے طبیب ہوتے ہیں، چونکہ اخلاقی رذائل اور بری صفات انسانی روح اور جان کے لیے مرض ہیں، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم ان کے فرامین کو گوشِ دل سے سنیں اور اپنے روحانی درد کا علاج کریں۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام بدزبان سے بچنے کے لیے تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ایاك و ما یستهجن من الکلام فانه یحبس علیك اللئام و ینفر عنك الکرام (میزان الحکمة جلد۸ صفحه ۴۳۶)

بدزبانی اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرو، کیونکہ بدزبانی کی وجہ سے پست اور ذلیل لوگ تمھارے گرد جمع ہوجائیں گے اور شریف اور معزز لوگ تم سے دور بھاگیں گے۔

یہ اس امام کا کلام ہے جس نے کبھی بھی کوئی نازیبا

بات منھ سے نہیں نکالی۔ اس فرمان پر اگر غور کیا جائے تو بدزبانی کا انجام انسان کے ذہن میں مجسّم ہو کر آجاتا ہے۔ یعنی اگر انسان بدزبان بن جائے اور زبان پر کنٹرول نہ کرے تو اس کا یہی نتیجہ نکلے گا کہ اچھے اور صالح لوگوں کا رابطہ اس سے منقطع ہو جائے گا، اور لاابالی اور خدا سے بے خبر لوگوں کا اس سے تعلق استوار ہو جائے گا اور وہ اس کے ساتھ بن جائیں گے۔ اور یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ بدکار لوگوں کی ہم نشینی کا انجام اچھا نہیں ہوتا اور انسان اس قسم کے لوگوں کی دوستی و ہم نشینی سے اس وقت پشیمان ہوتا ہے جب ندامت کوئی فائدہ نہیں دیتی۔

قرآن مجید ایسے لوگوں کے بارے میں خبردار کر رہا ہے جو برے لوگوں کے ساتھ اپنی نشست و برخاست رکھتے ہیں اور ان کی دوستی نے انھیں اس طرح تباہ و برباد کر دیا ہے کہ پشیمان ہو کر اپنی تباہی و بربادی کا ماتم کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

یوم یعض الظالم علی یدیه یقول یا لیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا یا و یلتی لم اتخذ فلانا خلیلا (فرقان: ۲۷،۲۸)

جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا کہ اے کاش! میں نے پیغمبر کا راستہ اختیار کر لیا ہوتا، اے کاش فلاں کو اپنا دوست نہ بناتا۔

لہٰذا اگر ہم اس قسم کے انجام سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ نازیبا اور ناروا باتوں اور بدزبانی سے اپنے آپ کو بچائیں، تاکہ اچھے لوگ ہمارے ساتھ دوستی کریں۔

ب: قرآن مجید نیک و شائستہ گفتگو کے بارے میں فرماتا ہے: ''الیه یصعد الکلم الطیب'' پاک و پاکیزہ کلام ہی اس کی طرف جاتا ہے۔ (سورہ فاطر: ۱۰)

بنابریں اگر انسان نیک اور نرم کلام زبان پر جاری کرے تو خداوند عالم بھی ایسی باتوں کو سنتا ہے اور ناپسندیدہ اور بیہودہ باتوں کو خدا سننے کا روادار نہیں ہے۔ اور ایسی باتیں کرنے والے کو خدا دوست نہیں رکھتا کتنی بری بات ہے کہ مومن جس زبان سے اللہ کہتا ہے، نماز پڑھتا ہے اور قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے، اسی زبان سے فحش، رکیک، نازیبا اور ناروا الفاظ ادا کرے۔

ج: سکوت اور خاموشی بھی زبان پر کنٹرول کرنے کا ایک ذریعہ ہے، جہاں پر حق بات کے بیان کرنے کا موقع نہیں ہوتا وہاں زبان کو بند رکھنا کس قدر اچھا لگتا ہے۔ کیونکہ زیادہ باتیں کرنا اور زبان کو بے لگام چھوڑ دینا ناشائستہ گفتگو کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

ایاک وکثرة الکلام فانه یکثر الزال و یورث الملل

زیادہ باتیں کرنے سے پرہیز کرو، کیونکہ اس سے لغزش زیادہ ہوتی ہے اور سننے والے کے لیے نفرت کا موجب بن جاتی ہیں۔ (میزان الحکمۃ جلد ۸ صفحہ ۴۳۹)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

الکلام کالدواء قلیله ینفع و کثیره قاتل

گفتگو دوا کی مانند ہے جس کی کم مقدار شفا بخش اور کثرت موت ہے۔ (میزان الحکمۃ جلد ۸ صفحہ ۴۴۴)

☆

ماہ شعبان ۴ھ کی تیسری تاریخ کی صبح تھی جب پروردگارِ عالم نے صدیقہ طاہرہ جناب فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کو دوسرا فرزند عطا کیا۔ جس کا سب سے پہلا امتیاز یہ تھا کہ اس کے شکم اطہر میں رہنے کی کل مدت چھ ماہ تھی، جس کی نظیر تاریخ انبیاء میں جناب عیسیٰؑ اور جناب یحییٰؑ علاوہ کسی اور مقام پر نہیں ملتی ہے اور قرآنِ حکیم نے بھی انسان کے حمل اور رضاعت کے تیس مہینہ سے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جناب عیسیٰؑ اور جناب یحییٰؑ پر آیت کے دوسرے اجزاء کا انطباق نہیں ہوتا ہے اور اس کا حقیقی مصداق امام حسینؑ کے علاوہ کوئی نہیں رہ جاتا ہے۔ آیت میں چالیس سال کی زندگی کا ذکر ہے اور جناب یحییٰ" اس عمر سے پہلے شہید کر دیے گئے اور اس طرح آیت کریمہ میں ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کا ذکر ہے اور جناب عیسیٰ" بغیر باپ کے اس دنیا میں بھیجے گئے تھے، لہٰذا آیت کا انطباق ان کی ذات پر بھی نہیں ہوسکتا ہے۔

آپؑ کی ولادت کے موقع پر بھی جناب ام الفضل کے خواب کا تذکرہ پایا جاتا ہے اور آپؑ کی ابتدائی زندگی کا آغاز بھی ام الفضلؑ کے خدمات سے ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس موقع پر ام الفضل نے یہ بیان بھی دیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچہ کی ولادت کی مسرت کے ساتھ گریہ بھی فرمایا۔ اور ام الفضل اور ام سلمہؓ کے سوال پر اس انجام کی نشاندہی کی جو اس فرزند کی زندگی کے خاتمہ پر مصائب اور شہادت کی شکل میں پیش آنے والا ہے۔

ولادت کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے کانوں میں اذان اور اقامت کہی اور آپ ہی نے حکم پروردگار کے مطابق "حسین" نام رکھا جو اس سے پہلے کسی بچہ کا نام نہیں تھا اور قدرت نے اسے اپنے خزانۂ خاص میں محفوظ کر رکھا تھا اور اس کا منشا یہ تھا کہ جس طرح شخصیت لاثانی ہے اسی طرح نام بھی بے مثال اور لاجواب رہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے اپنے زیر اہتمام عقیقہ کا انتظام کیا اور آپ نے غذا یہ انوکھا انتظام کیا کہ بچہ کو اپنی زبان مبارک یا انگشت مبارک کے ذریعہ سیرو سیراب کر دیا کرتے تھے اور کسی دوسری غذا کی طرف متوجہ نہ فرماتے تھے۔ حتی کہ بروایت کافی شیر مادر سے بھی بے نیاز رکھا تھا۔

بظاہر تو زباں چوسی بباطن ابن حیدرؑ نے
زباں دیدی پیمبرؐ کو زباں لے لی پیمبرؐ سے

امام حسین علیہ السلام کی زیارت میں بھی اس نکتہ کی طرف اشارہ موجود ہے کہ آپؑ کی تربیت اسلام کی آغوش میں ہوئی ہے اور آپؑ کو دودھ ایمان کے مرکز سے ملا ہے۔

آپؑ کی شخصیت کا دوسرا امتیاز یہ تھا کہ آپؑ کی ولادت پر جبریل امینؑ ملائکہ کی فوج لے کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مبارک باد پیش کرنے آئے اور اس سلسلہ میں بعض معتوب ملائکہ کی بخشش کا بھی انتظام ہوگیا جنھوں نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ لیکن ترک اولیٰ کی بنا پر ان پر عتاب نازل ہوگیا تھا اور عظمت حسینؑ کے اظہار کے لیے رب العالمین نے ان کے عتاب کو برطرف فرما دیا۔ (روایات میں ان کے نام فطرس اور دردائیل بیان کیے گئے ہیں)

آپؑ کی ولادت کا سال اسلامی تاریخ میں کسی بڑے حادثہ کا سال نہیں ہے لیکن اس کے بعد اسلام چاروں طرف سے نرغہ اعداء میں گھر گیا اور سب سے پہلے اسے کفر و شرک کے تمام احزاب سے بیک وقت مقابلہ کرنا پڑا، جو امام حسینؑ کی زندگی کا پہلا تاثر تھا کہ کفر وشرک اور یہودیت نے چاروں طرف سے گھیر کر اسلام کو فنا کردینے کا منصوبہ بنا لیا ہے اور جد بزرگوار ایک میرے پدر بزرگوار کی طاقت کے اعتماد پر سب سے مقابلہ کے لیے تیار ہیں اور آخر میں پھر کل کفر کا خاتمہ بھی ہوجاتا ہے۔ جس نے امام حسینؑ کی اس ذمہ داری کا بھی اعلان کردیا کہ جب اسلام چاروں طرف سے نرغہ اعداء میں گھر جائے تو اس کے تحفظ کی ذمہ داری اپنے ہی گھرانے پر عائد ہوتی ہے اور کل کفر کے خاتمہ کا عمل اپنے ہی گھرانے کو انجام دینا ہوتا ہے جس کا دوسرا منظر اسلام کی تاریخ میں کربلا کے میدان میں پیش آیا اور امام حسینؑ کی زندگی کی ابتداء اور انتہا یکساں حالات کا نمونہ بن گئی۔

۶ھ میں حدیبیہ کی صلح کا واقعہ پیش آیا جو امام حسینؑ کی زندگی کا دوسرا واقعہ تھا اور جس پر آپؑ نے اسی طرح امام حسنؑ کی صلح کے موقع پر عمل درآمد کیا جس طرح رسولِ اکرمؐ کے ساتھ مولائے کائنات نے صلح میں حصّہ لیا تھا، ورنہ علیؑ کے ہاتھ میں بھی زور خیبر شکنی تھا اور حسینؑ بھی جہاد کربلا کر حوصلہ رکھتے تھے۔

۷ھ میں اسلام کو بدترین دشمن یہودیوں سے سابقہ پڑا، جہاں جملہ مسلمانوں کے فرار کرجانے کے بعد مولائے کائنات نے خیبر کو فتح کرلیا، جو امام حسینؑ کی زندگی کا تیسرا موقع تھا۔ جس کا نمونہ اس دن پیش آیا جب تمام بڑی شخصیتوں نے یزیدیت سے خوف زدہ ہوکر خانہ نشینی یا راہِ فرار اختیار کرلی اور امام حسینؑ اپنے اہل حرم کے ساتھ قصر یزیدیت کی چولیں ہلادینے کے لیے کھڑے ہوگئے اور اپنے منصوبہ کو مکمل کرکے دکھلادیا۔

۸ھ میں فتح مکہ ہوا، جہاں حسینؑ نے اپنے نانا کے عفو وکرم کا مشاہدہ کیا اور یہ دیکھ لیا کہ منافقین کس طرح کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی طرح شریف افراد کو طلیق افراد سے الگ رکھنا چاہتے ہیں، تاکہ طلقاء کے خطرہ سے محفوظ رہا جائے اور اسلام کو ہر طرح کا تحفظ فراہم کردیا جائے۔

۹ھ میں عیسائیوں کے مقابلہ میں مباہلہ ہوا تو اس میں امام حسینؑ نے بنفسِ نفیس شرکت کی اور سب سے کمسن بلکہ بالکل کمسن ہونے کی بنا پر اپنے نانا کی آغوش میں میدان میں آئے اور یہ واضح کر دیا کہ حق و صداقت کا معرکہ سن و سال کا محتاج نہیں ہوتا ہے اور جس شخص کو اپنی صداقت پر اعتبار ہوتا ہے اسے ایسے معرکہ میں حصہ لینا ہوتا ہے۔

امام حسینؑ نے نانا کے طرزِ عمل کی بھی تجدید کربلا کے میدان میں کی جب عیسائی عورت میمونہ کی گود کے پالے یزید کے لشکر کے مقابلہ میں حق و صداقت کا سب سے کمسن مرقع علی اصغرؑ کی شکل میں پیش کر دیا اور فوج دشمن کو اس طرح منھ پھیر پھیر کر رونے پر مجبور کر دیا جس طرح عیسائی اپنی شکست مان کر جزیہ دینے پر تیار ہو گئے تھے۔

۱۰ھ میں حجۃ الوداع کا واقعہ پیش آیا جہاں حج سے واپسی پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقامِ غدیر خم پر حضرت علیؑ کی مولائیت کا اعلان کیا اور تمام بڑے بڑے اصحاب نے مع حضرت عمر کے اس مولائیت کی مبارک باد پیش کی اور حضرت علیؑ کے دست مبارک پر بیعت کی جس کے بغیر تین دن تک قافلہ آگے نہ بڑھ سکا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی بیابان میں ٹھہرے رہے۔

۱۱ھ میں ۲۸ صفر کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا اور اہلِ بیت کے گھر میں مصائب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پہلی مصیبت یہ سامنے آئی کہ زندگی بھر جاں نثاری کا دعویٰ کرنے والے افراد نے جنازہ میں بھی شرکت نہ کی اور سقیفہ میں خلیفہ سازی کا عمل انجام دیتے رہے، اگرچہ خود رسولِ اکرمؐ غدیر خم کے میدان میں خلافت کا فیصلہ کر چکے تھے اور تمام سقیفہ ساز افراد کو اس حقیقت کا علم تھا اور خود اس تقریب میں بھی شرکت کر چکے تھے۔

اس کے بعد دوسری مصیبت یہ آئی کہ مولائے کائنات سے حاکم وقت کی بیعت کا مطالبہ کیا گیا اور اس سلسلہ میں گلے میں رسّی ڈال کر کھینچا گیا، دروازہ میں آگ لگائی گئی اور دخترِ رسولؐ کے پہلو کو شکستہ کر کے ان کے فرزند مُحسنؑ کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا۔

تیسری مصیبت صدیقہ طاہرہؑ کی جائیداد فدک پر سرکاری قبضہ کا ہونا تھا، جس کے خلاف آپؑ نے دربار میں احتجاج بھی کیا اور آیات قرآنی سے میراث کا اثبات بھی کیا اور ہبہ کے گواہ بھی پیش کیے۔ لیکن آپؑ کی ایک نہ سنی گئی اور آپؑ کی جاگیر کو امت کا صدقہ بنا دیا گیا اور اہلِ بیتؑ کے گھر میں فاقوں کا دوسرا دور شروع ہو گیا۔

امام حسین علیہ السلام ان تمام مصائب کا بغور مطالعہ کر رہے تھے اور اسلام کی راہ میں ایسی ہی قربانیاں پیش کرنے پر آمادہ تھے، تاکہ دین خدا کی دور میں لاوارث نہ رہنے پائے اور اسے ہر دور میں قربانی دینے والے فراہم ہوتے رہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے ۷۵ یا ۹۵ دن کے بعد خود صدیقہ طاہرہؑ بھی انھی مصائب اور مظالم کے زیر اثر دنیا سے رخصت ہو گئیں اور امام حسینؑ کی زندگی میں مصائب کا ایک نیا دور شروع ہو گیا، جس کا سب سے

بڑا مظہر امیرالمومنینؑ کا سکوت اور آپؑ کی مسلسل پچیس سالہ خانہ نشینی تھی جس میں اہلِ بیتؑ کے خدمات کا سلسلہ تو جاری رہا لیکن اقتدار پرست تاریخ نے ان خدمات کو قابلِ توجہ نہیں سمجھا اور ان مخلصین کے بیانات اور تحریروں کو محفوظ نہیں رہنے دیا گیا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے اس چھ سال میں امام حسینؑ نے جس طرح کی زندگی گزاری ہے اس کا قیاس بعد کی زندگی پر کسی انداز سے بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

رسولِ اکرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں اگر کبھی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تو آپؐ نے فوراً گود میں اٹھالیا کہ مجھے حسینؑ کے گریہ سے تکلیف ہوتی ہے۔

اگر مسجد میں آکر گر پڑے تو آپؐ نے خطبہ قطع کر کے منبر سے اتر کر اٹھالیا، اور فرمایا: ایہا الناس! اسے پہچانو! اس کا احترام کرو، اور وقت پڑنے پر اس کی مدد کرنا۔

اگر کبھی پشت مبارک پر بیٹھ گئے تو آپ نے سجدہ کو طول دے دیا۔

اگر کبھی عید کے دن مچل گئے تو آپؐ نے پشت پر بٹھا کر ناقہ کا انداز اختیار کیا۔

اگر کبھی بچہ آہو کا تقاضا کر دیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تک مطمئن نہیں ہوئے جب تک بچہ آہو حسینؑ کے حوالے نہ کر دیا۔

اگر آغوش میں ابراہیمؑ جیسا فرزند رہا اور قدرت نے کہہ دیا کہ ایک کو اختیار کرو تو ابراہیمؑ کو قربان کر کے حسینؑ کو بچالیا۔ (واضح رہے کہ ابراہیم بن ماریہ قبطیہ کی ولادت ۸ھ میں ہے اور وفات ۱۰ھ میں)

اگر کبھی حبیب بن مظاہر کو خاک قدم حسینؑ کو آنکھوں سے لگاتے دیکھ لیا تو حبیب کو گود میں اٹھالیا کہ یہ میرے فرزند حسینؑ کا قدردان ہے۔

(روضۃ الشہداء)

رسول اکرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حالات بالکل تبدیل ہو گئے لیکن وقتاً فوقتاً حکام وقت اور دیگر مسلمانوں نے امام حسینؑ کی عظمت کا اعلان و اظہار اس لیے کیا کہ ابھی امت کے جذبات بالکل مردہ نہیں ہوئے تھے اور اہلِ بیتؑ پر واضح طور پر ظلم کرنے سے جذبات بھڑک سکتے تھے، لہٰذا ایک طرف دروازہ میں آگ لگائی گئی، فدک کو غصب کیا گیا، خلافت پر قبضہ کیا گیا اور دوسری طرف امام حسینؑ مسجد میں حاکم کو برسرِ منبر دیکھ کر ٹوک دیتے ہیں کہ میرے باپ کے منبر سے اتر آ اور اپنے باپ کے منبر کو تلاش کر اور قوم میں غیظ و غضب کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں تو حاکم وقت خود نہایت صفائی کے ساتھ اعلان کر دیتا ہے کہ حسینؑ کا دعویٰ بالکل صحیح ہے، یہ ان کے باپ کا منبر ہے اور میرے باپ کا کوئی منبر نہیں ہے۔ بلکہ اگر کبھی عبداللہ بن عمر کو امام حسینؑ نے غلام زادہ کہہ دیا تو خلیفہ وقت نے فوراً فرمایا کہ اسے حسینؑ سے لکھوالینا چاہیے تھا، یہ تو ایک نوشتۂ نجات ہے۔ حسینؑ کی غلامی سے بہتر اور وسیلہ نجات کیا ہوسکتا ہے؟ جب کہ کل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوشتۂ نجات لکھنا چاہتے تھے تو انھیں ہذیان گو قرار دے دیا گیا تھا۔

اللھم صل علی محمد و آل محمد

تحریر: علامہ احمد نراقیؒ، مترجم: میر محمود علی لائق

واضح ہو کہ امر معروف میں کوتاہی کرنے اور نہی منکر میں متوجہ نہ ہونے کا سبب ضعفِ نفس یا طمع مال ہے۔ یہ مہلکات سے ہے اور اس کا ضرر عام اور اس کا فساد کلی۔

کیونکہ جب امر معروف و نہی منکر دنیا سے اٹھ جاتا ہے تو آیات نبوت برطرف ہوتے ہیں اور دین و ملت کے احکام ضائع و تلف، عالم کو جہل و نادانی و ضلالت و گمراہی گھیر لیتی ہے۔ شریعت رب العالمین کے آثار فراموش ہوتے ہیں اور آئین سید المرسلینؐ کا چراغ خاموش، فتنہ و فساد برپا ہوتا ہے اور شہر نابود و ضائع۔

یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں کسی نہ کسی قوی النفس عالم متدین یا امیر متشرع نے جس کا حکم جاری و نافذ تھا، اس امر میں کوشش کی اور راہ دین و آئین میں آدمیوں پر ملامت و سرزنش کرنے سے اندیشہ نہ کیا۔

پس تمام آدمی طاعت و مبرات کی طرف راغب ہوئے اور علم و عمل کی تحصیل کے طالب، آسمان سے ان پر برکت نازل ہوئی اور دنیا و آخرت کی نیکی ان کو حاصل۔

جس زمانے میں عالم باعمل یا سلطان عادل اس امر خطرناک پر کمر ہمت نہ باندھے، اس بڑے کام کو آسان جانے تو خلق اللہ کا کام فاسد ہوتا ہے اور علم و عمل کا بازار بے رونق۔ آدمی لہو و لعب میں مشغول ہوتے ہیں اور ہوا و ہوس میں گرفتار و خودسر۔ یادِ خدا اور فکر روزِ جزا کو فراموش کیے ہوتے ہیں اور بادہ معاصی سے مست و بیہوش۔ اسی سبب سے آیات و اخبار میں ترک امر معروف اور نہی منکر کی بے حد مذمت آئی ہے۔

لَوْ لَا یَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ

یعنی علماء اور عقلمند جھوٹی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں ان کو منع نہیں کرتے۔ یقیناً وہ بدکاری ہے۔ جو کچھ کرتے ہیں۔

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ کوئی قوم معصیت کرتی ہو اور ان میں کوئی ایسا شخص ہو کہ ان کو منع کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور منع نہ کرے تو خدا تعالیٰ اس کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

نیز انہی سرورؐ سے منقول ہے کہ ضرور امر معروف و نہی منکر کو بتلانا چاہیے۔ ورنہ وہ اشخاص جن کو تم بد جانتے ہو وہ تم پر مُسلّط و حاکم ہوں گے اور تمھارے نیکوں کی دعا مقبول نہ ہوگی۔

فرمایا کہ خُدا بہ سبب عوام کے گناہوں کے خاص لوگوں پر اس وقت تک عذاب نہیں کرتا، جب تک کہ ان سے گناہ صادر نہ ہوں اور مخصوصین منع کرنے کی قدرت

رکھتے ہوں اور پھر ان کو منع نہ کریں۔

امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ بہ تحقیق کہ تم سے قبل جن لوگوں کی ہلاکت واقع ہوئی ان کی وجہ یہی تھی کہ مرتکب گناہ ہوتے تھے اور ان کے علماء ان کو منع نہیں کرتے تھے۔ جب ان سے گناہ متواتر صادر ہوتے تو وہ عذابِ الٰہی میں مبتلا ہوتے۔

فرمایا کہ امر معروف و نہی منکر دو مخلوقِ الٰہی ہیں۔ جو شخص ان کے ساتھ دوستی کرتا ہے تو خدا اس کو دوست رکھتا ہے، جو شخص ان کو ذلیل کرتا ہے تو خدا ان کو ذلیل کرتا ہے۔

نیز ان حضرتؑ کے کلام سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص دل و زبان اور ہاتھ سے انکار منکر کو ترک کرے تو وہ زندوں کے درمیان ایک مردہ ہے۔

اور فرمایا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو حکم فرمایا کہ خداوند عالم نے شعیبؑ نبی کو وحی فرمائی کہ میں تمہاری قوم کے سو ہزار آدمیوں پر عذاب نازل کروں گا، جس میں چالیس ہزار گنہگار ہوں گے اور ساٹھ ہزار نیک۔

عرض کیا کہ:

اے پروردگار! نیکوں کو کس لیے؟

خطاب ہوا:

اس وجہ سے کہ گنہگاروں کا ساتھ دینے اور میرے قہر کو آسان سمجھنے اور میرے غضب پر غضبناک نہ ہونے کے باعث۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:

وہ گروہ پاک و پاکیزہ نہیں ہوتا کہ جس کے قوی لوگوں سے ضعیفوں کا حق نہ لیا جائے۔

انہی حضرتؑ سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ نے دو فرشتوں کو بھیجا کہ کسی شہر کو اس کے اہلیانِ شہر کے ساتھ سرنگوں کر دیں۔ جب وہ ملک اس مقام پر پہنچے تو ایک مرد کو دیکھا کہ خدا کو یاد کرتا ہے اور گریہ و زاری میں مشغول ہے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ:

اس مرد کو نہیں دیکھتا ہے؟

اس نے کہا کہ:

جو حکم ہم کو خدا نے فرمایا ہے اس کو بجا لائیں گے۔

اس ملک نے جواب دیا کہ:

میں جب تک اپنے پروردگار سے دریافت نہ کرلوں اپنا کار مفروضہ نہ کروں گا

پس وہ واپس ہوا اور عرض کیا کہ:

اے پروردگار! جب ہم اس شہر میں پہنچے تو فلاں بندے کو دیکھا کہ تجھ کو یاد اور گریہ و زاری کرتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ:

جو حکم میں نے تم کو دیا ہے بجا لاؤ۔ بہ تحقیق کہ وہ مرد کبھی دوسروں کی معصیت پر غضبناک نہیں ہوا۔

ایک روز آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ مجھ پر لازم ہے کہ تم بے گناہوں کو گنہگاروں کے ساتھ مواخذہ کروں اور کیونکر لازم نہ ہو کہ تم میں سے جو شخص عمل بد کرتا ہے اس کا اثر تم پر پڑتا ہے اور تم اس سے انکار اور دوری نہیں کرتے اور اس کو ایذا نہیں دیتے تاکہ وہ اس عمل بد کو ترک کر دے۔

فرمایا کہ:

تمہارے علماء اور عقلمندوں پر تمہارے نادانوں کے

گناہوں کا بوجھ ڈالا جائے گا۔ کیونکہ جب تم کسی شخص کو معصیت کا مرتکب دیکھتے ہو تو اس کو سرزنش اور نصیحت نہیں کرتے۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ:

وہ نہیں مانتا ہے۔

فرمایا کہ:

اس سے دوری کرو اور اس کی ہم نشینی سے اجتناب

بہت سے اخبار ان مجالس میں نہ بیٹھنے کے لیے جن میں معصیت ہوتی ہو وارد ہوئے ہیں، بشرطیکہ اس کے امتناع اور دفع کرنے پر قدرت و امکان نہ رکھتا ہو۔

وارد ہے کہ اگر کوئی شخص مجلس معصیت میں شریک صحبت ہو تو اس پر لعنت نازل ہوتی ہے۔ اس لیے جائز نہیں کہ کسی ظالم و فاسق کے مکان میں جب کہ وہ مشغول ظلم یا فسق ہو داخل ہوں۔ اسی طرح اس مجمع میں جس میں کوئی معصیت ہوتی ہو اور وہ اس کے دفع کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو شریک ہونا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ بغیر ضرورت کے ملاحظہ معاصی جائز نہیں، اور یہ عذر کہ اس کے دفع کی قدرت نہ تھی مسموع نہ ہوگا، اور یہی وجہ تھی کہ بعض خدا شناسوں نے آدمیوں سے کنارہ کشی اختیار کی تھی کہ کہیں بازار، راستوں، مجمع، عیدگاہ میں کوئی معصیت ہوتی ہوئی نہ دیکھیں جس کو دفع نہ کر سکیں۔ آپ نے امر معروف و نہی منکر کی طرف سے بے پروائی و آسانی کی حالت کو معلوم کیا کہ جس کی وجہ سے کس قدر خرابیاں مترتب ہوتی ہیں، تو اب یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ معصیت کا حکم کرنے اور اطاعت سے روکنے کا کس قدر عذاب ہے۔

ایک روز حضرت پیغمبرﷺ نے فرمایا کہ:

کس طرح ہوگا جب کہ تمھاری عورتیں خراب ہوں گی، تم لوگ فاسق امر معروف اور نہی منکر نہ بجا لائیں گے۔

اس وقت تعجب سے عرض کیا گیا کہ:

ایسا وقت آئے گا؟

فرمایا:

ہاں! بلکہ اس سے بدتر۔ جب منکر کا امر کیا جائے گا اور معروف سے نہی کی جائے گی۔

عرض کیا گیا کہ:

ایسا وقت بھی ہوگا؟

فرمایا:

ہاں! بلکہ اس سے بدتر۔ جب کہ تمھاری نظروں میں معروف منکر ہو جائے گا اور منکر معروف۔

جو شخص اخبار و آثار میں غور کرے، تواریخ و حکایات گزشتگان کو دیکھے، ان پر بلا و عذاب کے نزول کو ملاحظہ کرے اور پھر اپنے زمانہ حال اور ان امور کو جو واقع ہو رہے ہیں مشاہدہ کرے، تو وہ یقین کر لے کہ یہ آفات ارضی و سماوی مثلاً:

طاعون، وباء، قحط، کمیٔ آب و باراں، تسلط اشرار و ظالمان قتل و غارت، زلزلہ وغیرہ۔

یہ تمام امر معروف اور نہی منکر کے ترک کرنے کی بدولت واقع ہو رہے ہیں۔

☆

تبصرہ

اُمّتِ مُسلمہ میں اختلاف کیوں؟

نام کتاب: امت مُسلمہ میں اختلاف کیوں

تالیف: حسین الامینی

ناشر: کریم پبلی کیشنز ۳۸۔ اُردو بازار لاہور

☆

زیر نظر کتاب امتِ مُسلمہ میں اختلاف کیوں؟ مُصنّف کی عظیم علمی کاوش ہے، امتِ مُسلمہ میں اختلاف کے عوامل واسباب پر کھل کر بحث کی ہے اور اتحادِ امتِ مُسلمہ کے لیے راہیں تلاش کی ہیں۔

حسین الامینی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ موصوف کے قلمی شاہکار ''شیعیت کا مُقدّمہ'' ''نمازِ پیغمبر'' ''توحید نہج البلاغہ کی روشنی میں'' خاص پذیرائی حاصل کر چکے ہیں، جن کے دیگر زبانوں میں تراجم کیے جا چکے ہیں۔

''اُمتِ مُسلمہ میں اختلاف کیوں؟'' میں مُصنّف نے پوری ذمہ داری سے خامہ فرسائی کی ہے۔ امتِ مُسلمہ کو اس بات کی دعوت دی ہے کہ سنی سنائی باتوں کی بجائے فہم وفراست اور قوتِ برداشت سے کام لینا چاہیے۔

کتاب تیرہ ابواب پر مشتمل ہے، ہر باب میں تحقیقی اور مدلل مواد پیش کیا گیا ہے۔

مُصنّف موصوف کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے قلم کے احترام اور زبان کی چاشنی کا پورا حق ادا کیا ہے۔ کتاب اس قدر دلچسپ ہے کہ پڑھنا شروع کریں تو بس کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

جلد، کاغذ، عمدہ، اور دیدہ زیب ہے۔

حسین الامینی جیسے چند اور قلمکار وطن عزیز میں پیدا ہو جائیں تو اختلاف امت کا مُسلمہ عنقا ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مُصنّف کی کاوش تحقیق اور محنت کو قبول فرمائے اور امت مُسلمہ کو حقائق سے آگاہی کی توفیق عطا فرمائے۔

(گلزار حسین محمدی)

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

جہاں تک تاریخ مذاہب و ادیانِ عالم کے مطالعہ کا تعلّق ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب یہود ہو یا نصاریٰ، ہندو ہو یا زرتشت وغیرہ، غرضیکہ تمام مذاہب و ادیان میں کسی نہ کسی رنگ میں ایک مصلح اعظم کے آنے کا تخیل موجود ہے۔ بالخصوص اہلِ اسلام کا تو حضرت مہدیؑ کے ظہور پر اتفاق ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اس کی بعض خصوصیات میں قدرے اختلاف ہے۔ عقل سلیم بھی یہی فیصلہ کرتی ہے کہ جس مذہب کی بنیاد ہی خدا کی قدرت اور عدالت پر ہے، بایں ہمہ دُنیا میں ظلم و جور، باطل پرستی اور ناحق کوشی کا دور دورہ ہے۔ اس لیے اسی دنیا میں ایک ایسا دور ضرور آنا چاہیے جس میں صفحہ عالم سے ظلم و جور حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہو۔ یہ مقصد آنجنابؑ کے ظہور کے وقت ہی کما حقہ پورا ہوسکتا ہے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"لو لم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطول اللہ ذلك الیوم حتی یبعث رجل من اهل بیتی اسمه اسمی یملا الارض قسطاً و عدلاً کما ملئت ظلماً و جوراً"۔

(ترمذی، مشکوۃ المصابیح، ابوداؤد، ینابیع المودۃ، وغیرہ)

"اگر عمر دُنیا کا فقط ایک ہی دن باقی رہ جائے تو خداوند عالم اسے اس قدر دراز کردے گا کہ میرے اہلِ بیتؑ میں سے ایک شخص مبعوث ہو جو میرا ہمنام ہوگا جو زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ پہلے ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی"۔

دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلہ عالم افکار

چونکہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم نبوت سے جانتے تھے کہ دنیا میں کئی جھوٹے مدعیان مہدویت پیدا ہوں گے لہٰذا ان کا فرضِ منصبی تھا کہ حضرت مہدی دوران کی معرفی کرانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں، ورنہ جھوٹے مدعیوں کے دام تزویر میں پھنسنے والوں کی ضلالت و گمراہی کی ذمہ داری خود آنحضرتؐ پر عائد ہوتی۔ (معاذاللہ) اس لیے انھوں نے جناب مہدی کی ذات وصفات اور شکل و شمائل وغیرہ تمام متعلقہ امور تفصیل کے ساتھ بیان کردیے، تاکہ اتمامِ حجت میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ "لیهلك من هلك عن بینة و یحیی من حی عن بینة"۔

حضرت مہدیؑ اہلِ بیتِ رسولؐ سے ہوں گے

آنجنابؑ کس خاندان سے ہوں گے؟ اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "المھدی من عترتی من ولد فاطمة"۔ (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۳ مع ترجمہ اردو، ہکذا فی سنن ابن ماجہ جلد ۳ صفحہ ۳۴۶) "مہدیؑ میری عترتِ طاہرہ اولادِ فاطمہ زہراؑ میں سے ہوگا"۔

"المھدی منااھل البیت" (صواعق محرقہ صفحہ ۱۴۱)

"مہدی ہم اہل بیتؑ میں سے ہوگا"۔

جناب سلمان فارسی (محمدی) روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا: "المھدی من اھل بیتی" "مہدی میری اہل بیت سے ہوگا"۔ اس وقت شہزادہ ہائے کونین جناب امام حسنؑ و حسینؑ بھی موجود تھے۔ میں نے عرض کی: "ای ولدیك ھذین" یا رسول اللہ! آپ کے ان دونوں صاحبزادوں میں سے کس کی نسل سے ہوگا؟ آنجنابؐ نے امام حسینؑ کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: "من ولدی ھذا"۔ "میرے اس بیٹے کی اولاد میں سے"۔ (ینابیع المودۃ جلد ۲ باب ۹۴ صفحہ ۲۱۶ طبع ایران)

اسی حدیث شریف سے متنبّی قادیان کے اس دعویٰ کا بطلان بھی واضح وعیاں ہوجاتا ہے جو انھوں نے اولادِ سلمانؓ سے ہونے کے ادعا پر اپنے مہدی موعود ہونے کے متعلق کیا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ ان کے اس دعویٰ میں کہاں تک صداقت ہے کہ وہ نسل جناب سلمانؓ سے ہیں۔ جو کہ بظاہر بالکل بلا دلیل دعویٰ ہے۔ کجا مغل مرزا، اور کجا خاندانِ سلمانؓ فارسی۔ بہرحال اگر بالفرض اسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس سے ان کی مہدویت ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جب حضرت سلمانؓ خود راوی ہیں کہ سرکار ختمی مرتبتؐ نے فرمایا کہ "مہدی میری ذریت اور اولاد حسینؑ سے ہوگا" تو اس کے بعد اولادِ سلمانؓ کو مہدی ہونے سے کیا رابطہ و تعلق باقی رہ جاتا ہے؟

حضرت مہدیؑ کے شکل و شمائل

آنجنابؑ کے خصائل و شمائل کیا ہوں گے، اور شکل و صورت کیسی ہوگی؟ اس سلسلہ میں آنجنابؐ فرماتے ہیں کہ: "المھدی رجل من ولدی لونه لون عربی و جسمه جسم اسرائیلی علی خده خال کانه کوکب دری یملأ الارض عدلا کما ملئت ظلما یرضی فی خلافته اھل الارض و اھل السماء والطیر فی الھواء" (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۲، ینابیع المودۃ جلد ۲ صفحہ ۱۷۹)

"مہدی میری اولاد میں سے ہوگا۔ اس کا رنگ عربی اور جسم اسرائیلی ہے۔ اس کے داہنے رخسار پر ایک خال ہے جو درخشندہ ستارہ کی طرح چمکتا ہے۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ ان کی خلافت میں زمین والے زمین پر اور آسمان والے آسمان پر حتی کہ پرندے ہوا میں خوش ہوں گے"۔

علاوہ دیگر ادلہ و براہین کے یہی امور جھوٹے مدعیانِ مہدویت جیسے مرزائے باب و بہاء اور مرزائے قادیان وغیرہم کے دعووں کو باطل کرنے کے لیے کافی ہیں۔ کیونکہ نہ تو ان کی شکل و صورت آنجنابؑ سے ملتی ہے اور نہ ان کے عہد میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہوا ہے، بلکہ روز بروز ظلم و ستم میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ کما لایخفی۔ بایں ہمہ ان حضرات کو مہدی موعود قرار دینا "برعکس نہند نام زنگی کافور" کا مصداق نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت مہدیؑ کی ولادت باسعادت

اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اگرچہ عقیدۂ ظہور مہدیؑ پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے مگر بعض جزئی اختلافات موجود ہیں۔ منجملہ ان اختلافات کے ایک یہ بھی ہے کہ آیا آنجنابؑ کی ولادت باسعادت ہو چکی ہے یا آخری زمانہ

میں ظہور کے قریب آنجناب متولد ہوں گے؟ چنانچہ تمام شیعہ خیر البریہ اور بعض علماء اعلام اہلِ سنت اس امر کے قائل ہیں کہ آپ کی ولادت باسعادت نیمہ شعبان المُعظّم ۲۵۵ھ میں بمقام سرمن رائے (سرمراء) میں واقع ہوئی۔ مگر جمہور اہلِ سنت کا خیال یہ ہے کہ ان کی ولادت آخری زمانہ میں واقع ہوگی۔ ہم یہاں ان بعض علماء اہل سنت کے نام مع ان کی کتب کے ذکر کرتے ہیں جنھوں نے آنجنابؑ کی ولادت ۲۵۵ھ میں تسلیم کی ہے۔

شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ا صفحہ ۹۳، جلد ۲ صفحہ ۴۹۰، اسعاف الراغبین مطبوعہ برحاشیہ نورالابصار صفحہ ۱۱۶،۱۰۴، شواہد النبوۃ جامی صفحہ ۲۱۳، فصول مہمّہ ابن صباغ مالکی، ینابیع المودۃ جلد ا صفحہ ۱۸۲ وغیرہ۔ بلکہ بعض منصف مزاج علمائے اہل سنت نے تو آنجناب کے حالات پر مستقل کتب تالیف کی ہیں۔ جیسے کتاب البیان تالیف حافظ محمد بن یوسف گنجی، کشف الخفی فی مناقب المہدی، التوضیح فی تواتر ماجاء فی المنتظر المہدی للشوکانی، العرف الوردی فی اخبار المہدی حافظ جلال الدین السیوطی۔

چونکہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت ۲۶۰ھ میں واقع ہوئی تھی، اس طرح پانچ سال کی عمر میں یہ فرِ عیسٰیؑ و یحییٰؑ ظاہری در جۂ رفیعہ امامت کبریٰ پر فائز ہوئے۔

ارباب دانش وبینش جانتے ہیں کہ ہدایت یا گمراہی کے لیے ہادی یا مُضل کا آنکھوں کے سامنے موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ خداوند عالم غائب رہ کر ہدایت کرتا ہے اور شیطان مخفی رہ کر گمراہ کرتا ہے۔ تو امام زمانؑ مخفی و مستور رہ کر فریضہ ہدایت کیوں انجام نہیں دے سکتا۔ خود امام العصرؑ سے پوچھا گیا تھا کہ آپ کی غیبت کے زمانہ میں آپ کے وجودِ مسعود سے لوگ کس طرح استفادہ حاصل کریں گے؟ امام عالی مقام نے فرمایا: "کالشمس اذا غیبتہا السحاب" جس طرح لوگ آفتاب سے فائدہ حاصل کرتے ہیں جبکہ وہ بادل کے نیچے چلا جائے۔

بقیہ باب العقائد

زمین جگمگا اٹھی وہ دل سے کیں عبادتیں
تن ابوتراب سے چمک رہی تھیں آیتیں

رکوع میں سجود میں، قیام میں، قعود میں

اور مخفی نہ رہے کہ اگر کسی وقت امام برحق تک دسترس نہ ہو سکے (جیسا کہ موجودہ دور میں یہی صورتِ حال ہے) تو جو حضرات عمومی طور پر نائب امام ہوں گے، یعنی علمائے اعلام، وہی مرکز امت بن کر نظام اسلام چلائیں گے اور تبلیغ اسلام اور اس کی حفاظت کا فریضہ ادا فرمائیں گے۔

⑤ قیامت:

خُداوند عالم کے مقرر کردہ نظام اسلام کی پابندی اور اس کے مقرر کردہ نبیوں، رسولوں اور اُن کے صحیح جانشینوں کی اطاعت کرنے والوں کے لیے جزاء اور مخالفت کرنے والوں کے لیے سزا کا انتظام وا ہتمام اشد ضروری ہے، تاکہ مطیع وفرمانبردار اور عاصی ونافرمان کے درمیان امتیاز کیا جا سکے۔ اسی جزا اور سزا والے دن کو قیامت کا دن کہتے ہیں۔

قرآن مجید کا بہت سا حصہ قیامت کی (حقانیت) اور اس کی تفصیلات بیان کرنے سے لبریز نظر آتا ہے۔

☆ آہ ماسٹر چوہدری حیات محمد سندرانہ

مولانا حامد علی، چوہدری محمد علی، چوہدری ساجد علی کے والد گرامی مختصر علالت کے بعد انتقال فرما گئے ہیں۔ مرحوم کا شمار علاقہ بھلوال کی معروف شخصیات میں ہوتا تھا۔ بطور مدرس آپ کی خدمات جلیلہ کا علاقہ بھر میں شہرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ تقریباً نوّے سال کی عمر میں وفات پائی۔ زندگی بھر علم و عمل کے داعی رہے۔ مطالعہ کتب آپ کا پسندیدہ مشغلہ تھا، آپ کی وفات کی خبر ملک بھر میں پھیل گئی، اطراف و جوانب سے لوگ امڈ کر نماز جنازہ میں شمولیت کے لیے چک ۸ ایم ایل پہنچ گئے۔ نمازِ جنازہ حضرت آیت اللہ علامہ محمد حسین نجفی نے پڑھائی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان ولواحقین کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ چک ۳۷ ایس بی ضلع سرگودھا کی مرنجاں مرنج شخصیت کے مالک حکیم سید محمد صفدر حرکت قلب بند ہونے سے انتقال فرما گئے ہیں۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ پابند صوم و صلوٰۃ اور عزادار سید الشہداءؑ تھے۔ آپ کی نماز جنازہ گلزار حسین محمدی مدیر دقائق اسلام نے پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی اولاد کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ سید غازی الدین زیدی لدھے والا چیمہ ضلع گوجرانوالہ میں وفات پا گئے ہیں۔ مرحوم سید چمن عباس ایڈووکیٹ کے چچا محترم تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازے۔

☆ جناب حاجی علی محمد لک صاحب کی والدہ رضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جوارِ سیدہؑ میں جگہ عطا فرمائے۔

☆ سید محمد رضا نقوی آف چوک بہار ملتان کی جواں سال بیٹی رضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

بارگاہِ الٰہی میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور جوارِ معصومینؑ میں مقامِ استراحت عطا فرمائے۔ آمین

بحق محمدؐ و آلہ الطیبین الطاہرین علیہم السلام

Registered No. (G) H.C/722

اندرون و بیرونِ ملک اہل ایمان سے اپیل

جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ سرگودھا

جامع مسجد کی

تعمیر نو ہو رہی ہے

لہٰذا مومنین مسجد کی تعمیر میں حصہ لے کر ثوابِ دارین حاصل کریں

تمام رقوم درجِ ذیل اکاؤنٹ نمبر میں بھجوائیں

08940007113901

حبیب بینک گل والا چوک سرگودھا

پرنسپل جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ سرگودھا

الخطاط کمپوزرز 0307-6719282